تحریکِ اسلامی میں
کارکنوں کے باہمی تعلقات

خرم مرادؒ

ترتیب

دیباچہ ازخورشید احمد	۵	چغل خوری	۴۱
اسلامی تحریک میں کارکنوں کے...	۹	عار دلانا	۴۲
سیرت کی بنیادی خصوصیات	۲۲	تجسس	۴۲
خیرخواہی	۲۲	تمسخر	۴۳
ایثار	۲۴	حقیر سمجھنا	۴۴
احسان	۲۷	بدظنی	۴۶
رحمت	۲۸	بہتان	۴۷
عفو	۳۱	ضرررسانی	۴۸
اعتماد	۳۴	دل آزاری	۴۸
قدروقیمت کا احساس	۳۵	فریب دہی	۵۰
حقوق میں دست درازی	۳۵	حسد	۵۱
جسم وجان کا تحفظ	۳۸	عزت وآبرو کا تحفظ	۵۲
بدکلامی اور برا بھلا کہنا	۳۹	دکھ درد میں شرکت	۵۹
غیبت	۴۰	احتساب ونصیحت	۶۰

ملاقات	۶۲	ہدیہ	۷۶
عیادت	۶۵	شکرگزاری	۷۷
اظہارِ جذبات	۶۷	ساتھ مل کر کھانا	۷۸
محبت اور خوش اخلاقی سے ملاقات کرنا	۷۱	دعا	۷۹
سلام	۷۲	بہتر طریقہ سے جواب دینا	۸۱
مصافحہ	۷۴	صلح کرنا اور شکایت دور کرنا	۸۱
اچھے نام سے یاد کرنا	۷۵	تتمہ	۸۸
شخصی اور ذاتی امور میں دلچسپی لینا	۷۵		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت الم نشرح ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے انسانی معاشرہ کی ہمیشہ نئی شیرازہ بندی کی ہے۔ انھوں نے ایک بنیادی دعوت کی طرف انسانوں کو پکارا اور اس دعوت پر لبیک کہنے والوں کو ایک نئے اتحاد میں جوڑ دیا۔ وہ انسان جو مختلف گروہوں، قبیلوں اور عصبیتوں میں بٹے ہوئے تھے، جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور عزت کے دشمن تھے اس دعوت کی وجہ سے ایک دوسرے کی عزت کے محافظ بن گئے۔ اس اتحاد سے ایک نئی قوت رُونما ہوئی اور ''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' کے یہ پیکر سب سے اہم تاریخ ساز اور تہذیب گر بنے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن اپنے بلیغ انداز میں اشارہ کرتا ہے کہ:

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ (ال عمران: ۱۰۳)

''اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں شدید دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اس کی عنایت و مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔ (بیشک) تم آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ پس اس نے تم کو اس سے نجات دی (اور تباہی سے بچا لیا۔)''

انبیاء علیہم السلام نے انسانوں کو اسی بات کی دعوت دی ہے کہ:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (ال عمران: ۱۰۳)

''اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو۔ (مجتمع ہو جاؤ، اور پھوٹ نہ ڈالو)

اسلام کی یہ اجتماعیت محض خارج کی اجتماعیت نہیں، بلکہ دلوں کی اجتماعیت ہے اسلام محض قانونی اتحاد کو اتحاد نہیں سمجھتا۔ وہ اس بیرونی اتحاد کی بنیاد انسانی قلوب میں رکھتا ہے۔ اس کی اصل، عقیدہ اور نظریہ کا اتحاد، امنگوں اور تمناؤں کا اتحاد، عزائم اور جذبات کا اتحاد ہے۔ وہ خارج میں بھی سب کو ایک شیرازہ میں منسلک کرتا ہے اور داخلی طور پر بھی ان کو ایک اخوت اور برادری میں جوڑ دیتا ہے، اور حق یہ ہے کہ سچا اتحاد اسی وقت رونما ہوتا ہے جب یہ دونوں کیفیتیں پوری ہو رہی ہوں۔ مصنوعی اتحاد کبھی دیرپا نہیں ہوتا۔ نفرت اور بغض سے بھرے ہوئے دل کبھی جڑ نہیں سکتے۔ جھوٹا رکھ رکھاؤ کوئی اتحاد پیدا نہیں کر سکتا۔ خود غرضانہ اتحاد انتشار اور افتراق کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور محض قانونی بندھن کسی حقیقی ملاپ اور رفاقت کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اجتماعیت کی بنیاد ایمان، محبت اور ایثار پر رکھی ہے۔ اس بنیاد پر تعمیر ہونے والے تعلقات وہ آہنی چٹان ہوتے ہیں جس سے ٹکرا کر بڑے بڑے طوفان بھی اپنا سر ہی پھوڑ سکتے ہیں۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

پھر ان بنیادوں پر وہ معاشرہ استوار ہوتا ہے جس میں تنازع للبقا کی جگہ تعاون و اشتراکِ عمل رونما ہوتا ہے۔ جہاں ہر شخص دوسرے کا سہارا ہوتا ہے اور ہر فرد دوسرے کا معاون اور مددگار۔ جہاں گرتے ہوئے کو گرنے نہیں دیا جاتا، بلکہ بیسیوں ہاتھ اس کی مدد کے لیے آگے بڑھ جاتے ہیں اور جہاں پیچھے رہنے والوں کو چھوڑ نہیں دیا جاتا بلکہ بیسیوں ہاتھ اس کی مدد کے لیے آگے بڑھ جاتے ہیں اور جہاں پیچھے رہنے والوں کو چھوڑ نہیں دیا جاتا بلکہ سہارا دے کر آگے برھایا جاتا ہے۔ یہ معاشرہ فرد کو مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لائق بناتا ہے اور گرتوں کو تھامنے کا کام انجام دیتا ہے۔

تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے لیے یہ امر بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ ان بنیادوں کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں جن پر اسلام اجتماعی تعلقات کو استوار کرتا ہے اور پھر اپنی قوتوں کو اس مقصد کے حصول کے لیے استعمال کریں۔

ہمارے محترم دوست اور عزیز بھائی خرّم جاہ مراد نے تحریک اسلامی کے کارکنوں کی اسی بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔ خرّم صاحب نے مغربی تعلیم کے

باوجود دینی علم کے حصول کی نمایاں کوشش کی اور قابلِ رشک کامیابی حاصل کی۔ اگر پھول اپنی خوشبو سے پہچانا جاتا ہے تو ان کی تالیف ہمیں فکر اور مزاج کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔

دراصل زیر بحث مسئلہ کے تین پہلو ہیں۔

اول: اسلام اس اجتماعی زندگی کو برپا کرنے اور قائم رکھنے کے لیے فرد کی سیرت میں کن بنیادی خصوصیات کو جلوہ گر دیکھنا چاہتا ہے۔

دوم: ان بنیادوں کو منہدم کرنے والی اور ان کو کمزور کرنے والی چیزیں کون سی ہیں تاکہ ان سے بچا جائے۔

سوم: ان بنیادوں کو مضبوط کرنے والی اور ان کو ترقی دینے والی صفات کون سی ہیں تاکہ انھیں اختیار کیا جائے۔

مصنف محترم نے انھی تین سوالات کے جواب نہایت شرح و بسط کے ساتھ دیئے ہیں اور ہمیں توقع ہے کہ اگر تحریکِ اسلامی کے کارکن ان کو پورے غور سے پڑھیں اور ان کو اختیار کرنے کی کوشش کریں تو وہ اپنی اجتماعی زندگی کو ایمان، محبت اور ایثار کے ان پھولوں سے آراستہ کرلیں گے جو گلشنِ حیات کو آشنائے بہار کرتے ہیں۔

اس کتاب سے استفادہ کے سلسلہ میں ایک بات رفقاء کے پیش نظر رہے تمام چیزیں انسان فوراً ہی حاصل نہیں کرسکتا۔ تعمیر سیرت کے منصوبہ کی پوری اسکیم کو سمجھ لینے کے بعد ہمیں چاہیے کہ ایک ایک چیز لیں۔ اسے خوب ذہن نشین کرلیں اور پھر اس کو اختیار کرنے کی کوشش کریں اور اسی طرح ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری چیز لیتے جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے سورۂ بقرہ سات آٹھ سال میں مطالعہ کی تھی، جب آپ سے استفسار کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ میں ایک چیز کو پڑھتا ہوں۔ اس کو اختیار کرتا ہوں اور پھر آگے بڑھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ تعمیر سیرت کے لیے اسی تدریجی مسلسل اور انتھک کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔ محض مطالعہ اس کے لیے کافی نہیں ہے، یہ مقصد تو پیہم سعی و جہد سے حاصل ہوگا۔ پھر خوب یاد رکھیے کہ یہ راہ نشیب و فراز کی راہ ہے۔ اور کامیابی کا راز ہمت اور اعتماد کے ساتھ جدوجہد میں مضمر ہے۔ ناکامیاں آئیں گی مگر ان کا مقابلہ کرنا ہے۔ مشکلات دعوتِ مبارزت دیں گی، مگر انہیں انگیز کرنا ہے دقتیں

پیش آئیں گی مگر ان سے لڑنا ہے اور ان کو شکست دینا ہے۔ یہ تو اس راہ کے لازمی مراحل ہیں۔ کیا ان سے شکستہ خاطر ہو جائیں۔

جوئے خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا؟

خورشید احمد

اسلامی تحریک میں
کارکنوں کے باہمی تعلقات

اسلامی تحریک ایک اجتماعی انقلاب کی داعی ہوتی ہے اس لیے اس کا یہ فریضہ بالکل اولین اہمیت کا حامل ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کو عام طور پر تمام انسانوں سے اور خاص طور پر باہم ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ صحیح صحیح بنیادوں پر مربوط کردے۔ اسلامی تحریک کے کارکنوں کے باہمی تعلقات کو قرآن اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ:-

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:۱۰) ''مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

اگرچہ بظاہر یہ صرف تین الفاظ کا ایک مختصر سا فقرہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ باہمی تعلقات کی بنیاد، اصولی حیثیت، اہمیت اور گہرائی ظاہر کرنے کے لیے یہ بالکل کافی ہے اور اس معاملہ میں اسے ایک اسلامی تحریک کے چارٹر کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

اس سے ایک طرف تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تحریک میں افراد کا باہم دگر رشتہ ایک اصولی رشتہ ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ اور فکر کی یگانگت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ اور نصب العین کی یکسانیت اس کی بنیاد بنتی ہے یعنی یہ ایمان کا اشتراک ہوتا ہے جو اس میں رنگ بھرتا ہے۔ اور دوسری طرف یہ کہ اصولی رشتہ ہونے کی بنا پر یہ کوئی روکھا سوکھا رشتہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں استحکام گہرائی اور شدید محبت سموئی ہوتی ہے۔ اس کو صرف دو بھائیوں کا باہمی تعلق ہی ظاہر کرسکتا ہے اور یہی تعلق ہے جو اخوت کہلاتا ہے۔ ایک اصولی رشتہ کو اسلام جو وسعت و استحکام اور جذبات بخشتا

ہےاس کی ترجمانی کے لیے ''اخوۃ'' سے بہتر اور کیا لفظ ہوسکتا تھا۔

اسلامی تہذیب میں ایمان کا تصور صرف اتنا ہی نہیں کہ انسان چند مابعد الطبیعی حقائق کا اقرار کر لے اور بس۔ بلکہ یہ ایک ہمہ گیر حیثیت کا حامل ہے یہ ایک عقیدہ ہے جو قلب پر چھا جاتا ہے اور رگوں میں خون کی طرح گردش کرنے لگتا ہے۔ یہ ایک جذبہ ہے جو سینہ کو مضطرب و متلاطم رکھتا ہے، ایک فکر ہے جو ذہن و دماغ کا سانچہ ہی بدل دیتا ہے۔ ایک عملی نظام کی قوتِ نافذہ جو تمام اعضاء و جوارح کو اپنے تسلط میں لے کر پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انقلاب لے آتی ہے جو ایمان اتنا وسیع الاثر ہو اس کی گرفت سے انسانوں کے باہمی تعلقات کس طرح آزاد ہوسکتے ہیں، جب کہ یہ حقیقت ہے کہ انسان کی پوری زندگی سوائے ایک بہت معمولی جزو کے عبارت ہے انسان اور انسان کے باہمی تعلقات سے اس لیے یہ ایمان اپنے ماننے والوں کو تمام انسانوں سے عموماً اور ایک دوسرے سے خصوصاً تعلقات قائم کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور پھر ایک طرف ان تعلقات کو عدل و احسان کی بنیاد قائم کرنے کے لیے وہ ایک اجتماعی نظامِ حیات اور ایک تہذیب کی صورت گری کرتا ہے اور دوسری طرف حقوق و فضائل پر مشتمل ایک ضابطہ تجویز کر کے دیتا ہے تاکہ ہر فرد اپنے اپنے مقام پر اس کو عمل میں لائے اور اس طرح جو لوگ رشتۂ ایمان میں منسلک ہوں وہ ایک دوسرے سے اس طرح جڑ جائیں جیسے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ سے جڑ جاتی ہیں یا جس طرح ایک بھائی دوسرے بھائی سے جڑا ہوتا ہے۔ اور یہ اس ایمان کی اصولی حیثیت کا لازمی تقاضا ہے جس کے لیے انسانی فطرت مطالبہ کرتی ہے اور جس پر عقل شہادت دیتی ہے۔

جو لوگ ہر رنگ اتار کر صرف اللہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں تمام اطاعتیں ترک کر کے صرف اللہ کیا طاعت کرتے ہیں۔ ہر باطل سے کٹ کر صرف حق سے جڑ جاتے ہیں اور صرف اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ہر باطل سے کٹ کر صرف حق سے جڑ جاتے ہیں اور صرف اللہ کے لیے یکسو ہو جاتے ہیں وہ بھی اگر ایک دوسرے سے مربوط نہ ہوں گے، متعلق نہ ہوں گے اور محبت کے تعلقات قائم نہ کریں گے تو پھر کون کرے گا؟ نصب العین کے لیے یکسوئی سے زیادہ بڑی کون سی قوت ہے جو انسان کو انسان سے جوڑ سکتی ہے؟ اس یکسوئی کا ایک ایک تقاضا اور راہِ حق کی ایک ایک منزل اس تعلق کو ایک زندہ حقیقت میں تبدیل کرتی چلی جاتی ہے۔ جو آدمی صرف حق

کے لیے خود کو وقف کر دے، پھر وہ اس راہ پر چلنے والوں میں سے ایک ایک کی محبت، ہمدردی، تسلی اور سہارے کا ضرورت مند اور محتاج ہوتا ہے اور اگر اس راستے پر اسے یہ نعمت بھی نہ ملے تو یہ اتنی بری کمی ہوگی کہ جس کی تلافی کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگی۔

اس دنیا میں ایمان کا اصل مقصد۔ یعنی عالمگیر اسلامی انقلاب اور اسلامی تہذیب کا قیام خود ایک انتہائی مستحکم اور برادرانہ تعلق کا تقاضا کرتا ہے اس مقصد کا حصول کوئی آسان کام نہیں۔ یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنے کے مترادف ہے جہاں قدم قدم پر مصائب کی آندھیاں اٹھتی ہیں اور آزمائشوں کے سیلاب آتے ہیں۔ ظاہر ہے اس گراں بار ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے ایک ایک فرد کی رفاقت انتہائی قیمتی ہے جس کا فقدان کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہو کہ قلّتِ اعوان وانصار اس راہ کا ایک کلیہ ہے۔

پھر کوئی اجتماعی انقلاب بغیر ایک منظّم اور طاقتور جماعت کے ظہور پذیر نہیں ہوسکتا اور ایک منظّم اور طاقتور جماعت اس وقت وجود میں آتی ہے جب اس کے افراد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں۔ جب ہی اس مقصد کے لیے اتنے منظّم طریقے پر جدوجہد کی جاسکتی ہے جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ (الصّف:۴) جس میں کسی رخنہ اور انتشار کو راہ نہ ملے۔ اور ایسا نظمِ جدوجہد ہی کامیابی کا ضامن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران میں ایک نوزائیدہ اسلامی ریاست کے چلانے والوں کو اس ربط کی ہدایت اس طرح کی ہے:

> يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (ال عمران:۲۰۰)
>
> اے ایمان لانے والو! صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ۔ حق کی خدمت کے لیے کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔

سورۂ انفال کے آخر میں اسلامی انقلاب کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو اس کے لیے ایک لازمی شرط کے طور پر سامنے رکھا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ اس دین پر ایمان لائیں، اس کی خاطر ہر چیز ترک کر دیں اور اس جدوجہد میں سر دھڑ کی بازی

لگا دیں، ان کا رشتہ ایک دوسرے کے ساتھ لازماً دوستی ومحبت کا رشتہ ہے اور اس رشتہ کے لیے یہاں ولایت کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ (انفال:۷۲)

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

اور اس سے آگے چل کر کفار کی تنظیم اشتراک اور ان کی جماعتی قوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں نے یہ رشتۂ ولایت پیدا نہ کیا تو عدل واحسان اور خدا پرستی کی بنیاد پر ایک عالمگیر اسلامی انقلاب کی تمنا کبھی ٹھوس زمین میں جڑ نہ پکڑ سکے گی اور نتیجتاً خدا کی یہ زمین فتنہ وفساد سے بھر جائے گی۔ کیونکہ مسلمان بغیر اس رشتۂ ولایت کے انقلاب کی مخالف طاقتوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

وَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ کَبِیْرٌ ؕ﴿۷۳﴾ (انفال:۷۳)

اور جو لوگ منکر حق ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر تم (اہل ایمان ایک دوسرے کی حمایت) نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ وفساد برپا ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ اسلامی تہذیب کے قیام اور اسلامی انقلاب کے لیے یہ جدوجہد اسی ایمان کا اصل معیار ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا وَ جٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ (انفال:۷۴)

جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔

اس سے کچھ پیشتر اللہ تعالیٰ نے مخالفین کی تدابیر کے مقابلے میں اپنی نصرت کے وعدہ کے ساتھ جس چیز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھائی ہے وہ مومنین کی جماعت ہے کہ جس کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جوڑ دیا اور جو اسلامی انقلاب کی ضمانت ہے۔

هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَکَ بِنَصۡرِهٖ وَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ (انفال: ۶۲، ۶۳)

وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے۔

اسلامی انقلاب کے داعیوں کا یہ باہمی تعلق اخوت کا تعلق ہے، ولایت کا تعلق ہے، رحمت کا تعلق ہے اور محبت کا تعلق ہے۔ لیکن اخوت کا لفظ بڑا اہمہ گیر ہے جو اپنے دامن میں سب کچھ سمیٹ لیتا ہے۔ اسلامی تحریک کے کارکنوں کو آپس میں اس طرح جڑنا چاہیے جس طرح دو بھائیوں کا رشتہ ایک ناقابلِ شکست رشتہ ہوتا ہے اور وہ اپنے درمیان کوئی اختلافی تفرقہ، فساد یا انتشار برداشت نہیں کر سکتے۔ جس طرح وہ ایک دوسرے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی، اعانت اور مدد میں لگے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے پشت پناہ اور سہارا بنتے ہیں۔ جس طرح وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور اپنے معاملات میں پورے اعتماد کے ساتھ ایک دوسرے کو شریک کرتے ہیں اور جس طرح ان کے درمیان ایک شدید جذبۂ محبت ہوتا ہے جو ان کے سینوں میں موجزن رہتا ہے اور ان کے دلوں کو حرارت بخشتا ہے، ٹھیک اسی طرح راہِ حق کے ان مسافروں کا تعلق ہونا ہے جو دین کے لیے اپنا پورا سرمایۂ زندگی لگا دیتے ہیں۔ جسے اسلامی انقلاب سے جتنی گہری لگن ہوگی وہ اتنا ہی گہرا تعلق اپنے ساتھی سے قائم کرے گا اور جسے جتنا زیادہ مقصد عزیز ہوگا اسے اتنا ہی یہ تعلق عزیز ہوگا۔ کیونکہ یہ تعلق خالصۃً للہ فی اللہ ہوتا ہے۔ صرف اللہ کے لیے اور صرف اللہ کی راہ میں جو شخص اسلامی انقلاب کا سرگرم داعی ہو اور اس کا تعلق اپنے ساتھیوں سے ایسا ہو، جیسا راہ چلتے اجنبی سے تو اسے اپنے بارے میں غور کرنا چاہیے کہ وہ کس راہ پر جا رہا ہے اور اگر اسے اپنے ان ساتھیوں سے تعلق کی بس اتنی ہی قدر ہو جتنی اس گرد کی جو آدمی اپنے اوپر سے جھاڑ دیتا ہے تو پھر

اسے سوچنا پڑے گا کہ اس کے دل میں خود اس مقصد کی کتنی قدر ہے جس کی محبت کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔

اخوت کا یہ وہ تعلق ہے جس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَلْحُبُّ لِلّٰہِ" کی پاکیزہ جامع اور قلب کو مسخر کر دینے والی اصطلاح استعمال کی ہے۔ محبت خود ایک بڑی پرکشش اور شیریں اصطلاح ہے اور پھر للہ اور فی اللہ کی قید اسے تمام آلودگیوں اور ناگواریوں سے پاک کر کے رفعت کے انتہائی درجات تک پہنچا دیتی ہے اور اس طرح یہ اصطلاح بیک وقت عقل اور دل کو وہ پیمانہ دیتی ہے جس پر ہر مومن اپنے تعلق کو ناپ سکتا ہے۔

اللہ پر ایمان کا اور اس کی راہ میں محبت کا بالکل لازم وملزوم کا سا تعلق ہے جہاں ایک چیز ہوگی وہاں دوسری بھی موجود ہوگی۔ ایک نہ ہوگی تو دوسری بھی مشکوک ہوگی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ اس کا اظہار یوں کیا کہ:

لَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا۔ (عن ابی ہریرۃ فی المسلم بحوالہ ص:۱۹۷)

"تم اس وقت تک مومن نہ ہو گے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو"

اور پھر پورے تعلقات کو اس بنیاد پر قائم کرنے اور اپنی محبت اور دشمنی کو اللہ کے لیے خالص کر لینے کو تکمیل ایمان کی شرط ٹھہرایا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ۔

جس نے محبت کی تو صرف اللہ کے لیے اور دشمنی کی تو صرف اللہ کے لیے، کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے اور روکا تو اللہ کے لیے، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

دوستیاں اور دشمنیاں انسان کی زندگی پر واقعی اس طرح اثر انداز ہوئی ہیں کہ ان کا اللہ کے لیے خالص کر لینا تکمیل ایمان کے لیے اگر ضروری شرط ٹھیرایا گیا ہے تو بالکل منطقی اور بدیہی بات ہے۔ ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں۔ ہر شاخ اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے۔ اللہ کے لیے محبت ایک معاشرہ کے استحکام اور حسن و جمال کے لیے اور اسلامی انقلاب کے لیے ایک منظّم طاقت بروئے کار لانے کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ اس کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک جگہ تمام اعمال سے افضل قرار دیا۔ حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ:

خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ قَائِلٌ الصَّلٰوۃُ وَالزَّکٰوۃُ وَقَالَ قَائِلٌ الْجِھَادُ۔قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ احَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ۔ (ابی درداء)

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور پوچھا کیا جانتے ہو، اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ کسی نے نماز و زکوٰۃ کہا اور کسی نے جہاد کو۔ آپؐ نے فرمایا کہ صرف اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے دشمنی، اللہ کے نزدیک تمام اعمال میں محبوب ترین ہے۔ (ابودرداء)

پھر ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے آپؐ نے سوال کیا کہ:

اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ اَوْ ثَقُ؟ قَالَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ: اَلْمُوَالَاۃُ فِی اللّٰہِ وَالْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ۔ (بیہقی)

ایمان کی کون سی کڑی مضبوط ترین ہے؟ جواب دیا کہ خدا اور اس کے رسولؐ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ اللہ کی راہ میں دوستی اور اس کی راہ میں محبت اور دشمنی (بیہقی)

عُریٰ حلقہ کو بھی کہتے ہیں اور اس درخت کو بھی جس کے پتے خزاں میں نہیں جھڑتے، اور برتنوں کے دستہ کو بھی کہتے ہیں جس کو پکڑ کر برتن اٹھایا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ کی راہ میں محبت وہ مضبوط سہارا ہے جس کے بل پر آدمی ایمان کے تقاضے پورے کرسکتا ہے۔ ایسا سہارا جو کبھی نہ ٹوٹ سکتا ہے اور نہ دھوکا دے سکتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ایمان آدمی کی پوری زندگی کا مطالبہ کرتا ہے یعنی زندگی کا ہر لمحہ اس وقت تک جب تک کہ جسم میں سانس آرہی ہے اور جارہی ہے، ایمان کے تقاضوں کے مطابق گزرنا چاہیے۔ زندگی میں اتنی وسعت کے ساتھ عمل صالح اس وقت تک وجود پذیر نہیں ہوسکتا جب تک کہ مومن کے تعلقات اللہ کے لیے محبت کے تعلقات نہ ہوں، اس لیے بھی کہ تعلقات آدمی کی زندگی کا بہت بڑا حصہ ہیں اور اس لیے بھی کہ یہ تعلقات اس کی زندگی کو لازماً متاثر کرتے ہیں اور

ایک طرح اس کی دوستیاں اس کے لیے دین کا معیار بن جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ اپنے نفس و ذات کو ان لوگوں کے ساتھ وابستہ رکھیں جن کی زندگیوں میں خدا کی یاد رچی بسی ہو، اور اس کے لیے صبر کا لفظ استعمال کرتا ہے تا کہ وہ حق کی راہ پر چل سکیں اور ساتھ ہی اپنی نظروں کو دنیوی ساز و سامان اور آرائش سے متاثر ہو کر بھٹکنے نہ دیں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْھُمْ تُرِیْدُ زِیْنَۃَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ (کہف)

اور اپنی ذات کو ان لوگوں کے ساتھ ٹھیراؤ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں اور دنیوی زندگی کی خواستگاری میں تمہاری نگاہیں ان سے ہٹ کر اور طرف نہ دوڑیں۔

اور دوسری طرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم متنبہ کرتے ہیں کہ انسان اپنی دوستی کے تعلقات سوچ سمجھ کر قائم کرے اس لیے کہ:

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ۔
(احمد، ترمذی، ابوداؤد، بیہقی)

آدمی اپنے خلیل کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک سوچ سمجھ لے کہ وہ اپنا خلیل کس کو بناتا ہے۔ (عن ابی ہریرہؓ)

خلیل کا لفظ خلّت سے نکلا ہے جس سے مراد ایسی محبت اور خلوص ہے جو دل میں اتر کر رچ بس جائے۔ اچھے اور برے لوگوں کی محبت اور صحبت کی ایک عمدہ تمثیل حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ اچھی صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی عطر فروش کی ہم نشینی کی جائے۔ اگر عطر نہ بھی ملے تب بھی خوشبو سے تو دل و دماغ ترو تازہ ہو گا اور بُری صحبت کو لوہار کی دوکان سے تشبیہہ دی گئی ہے جس میں اگر کپڑے جلنے سے بچ گئے تب بھی کالک اور دھواں تو طبیعت کو پراگندہ کرے گا ہی۔

ایمان کا ایک اسٹیج وہ ہوتا ہے جب آدمی خود ایمان اور ایمان کے عملی مطالبات کی

ادائیگی میں بھی ایک خاص لذت اور کیف و سرور محسوس کرتا ہے اور پھر عمل صالح کا مطالبہ اس لذت کی وجہ سے آدمی کے اندر سے اٹھتا ہے۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلاوت ایمان سے تعبیر کیا ہے اور اس کی تین شرائط بیان کرتے ہوئے اس میں ایک چیز یہ بھی رکھی ہے کہ:

اَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءُ لَايُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ ط

کہ وہ آدمی محبت کرے اور یہ محبت سوائے اللہ کے کسی اور کے لیے نہ ہو۔

ایک غلام اور بندہ کو اپنے آقا و مالک کی محبت اگر نصیب ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔

ایک مومن کو اگر اللہ کی محبت مل جائے تو اس کی اس دولت کا بدل اس کو کیا مل سکتا ہے: یہ وہ محبت ہے جو ایک مومن کی معراج ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بتاتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے لیے ایک دوسرے سے تعلقاتِ اخوت قائم کریں وہ اس نعمتِ عظمیٰ کے مستحق ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ یہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَجَبَتْ مَحَبَّتِىْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ الْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ۔

میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہوگئی جو میرے لیے آپس میں محبت کریں، میرے لیے ساتھ مل کر بیٹھیں، میرے لیے ایک دوسرے سے ملنے جائیں اور میرے لیے ایک دوسرے پر مال خرچ کریں۔

دنیوی زندگی میں تو اللہ کے لیے محبت کے یہ سب نتائج ہیں ہی لیکن آخرت میں جب آدمی کے لیے ایک ایک عمل قیمتی ہوگا اس وقت ایک کھجور کا صدقہ اور ایک اچھی بات بھی اس کے لیے بسا غنیمت ہے۔ اس وقت یہ تعلق ایک مومن کے لیے انتہائی بلند درجات کا موجب ہوگا۔ اور اسلامی انقلاب کے ضمن میں اس تعلق کی اہمیت پر جو کچھ ہمیں معلوم ہے اس کے پیشِ نظر یہ بالکل فطری اور لازمی بات ہے۔

اس دن کسی آدمی کو دوسرے کا ہوش نہ ہوگا۔ آدمی اپنے ماں باپ، بھائی بہن، بیوی بچے سب سے دور بھاگے گا۔ آگ سے بچنے کی خاطر ان سب کو فدیہ میں دے دینے کو تیار ہوگا۔ دوستی کی تمام حقیقتیں کھل جائیں گی اور دوست دوست کا دشمن ہوجائے گا۔ وہی دوست جس کی محبت دنیا میں دل ودماغ میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ لیکن صرف متقین ہوں گے جن کی دوستیاں وہاں قائم رہیں گی۔ اس لیے اس نازک مرحلہ میں معلوم ہوگا اور اس کا صحیح احساس واندازہ ہوگا کہ دنیا میں ان دوستیوں نے کیا کچھ بخشا جو آج کام آرہا ہے۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۞ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۞ (الزخرف: ۶۷، ۶۸)

جو آپس میں ایک دوسرے کے دوست تھے اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں گے۔ سوائے متقین کے، اے میرے بندو! آج کے دن تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوگے۔

اور اس طرح آدمی کا انجام انھیں لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ اس کے محبت کے تعلقات ہوں گے۔ یہاں تک کہ خدا کے لیے محبت کرنے والوں میں اگر ایک مشرق میں رہتا ہوگا اور دوسرا مغرب میں تو خداوند تعالیٰ ان کو قیامت کے دن وہاں جمع کر کے کہے گا: ”وہ شخص یہ ہے جس سے تو محبت رکھتا تھا۔“

۱- اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (عَنْ ابی موسیٰ اشعری فی البخاری)

(المسلم بحوالہ ص: ۱۸۲)

۲- لَوْ اَنَّ عَبْدَيْنِ تَحَابَّانِي اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاحِدٌفِي الْمَشْرِقِ وَاٰخرفِي الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ هٰذَاالَّذِيْ كُنْتُ تُحِبُّهُ فِيَّ۔

وہ ایسا دن ہوگا جب قدموں تلے آگ ابل رہی ہوگی اور سر کے اوپر آگ کا بادل ہوگا جس سے انگارے برس رہے ہوں گے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے سے آگ کی لپٹیں رخساروں کو چھو رہی ہوں گی اور صرف ایک سایہ ہوگا جہاں انسان پناہ حاصل کر سکے گا، اور وہ عرش الٰہی کا سایہ

ہوگا۔ جو سات قسم کے آدمی اس دن اس سائے میں ہوں گے، ان کے بارے میں اللہ کے رسولؐ نے ہم کو خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ ان میں:

رَجُلَانِ تَحَابَّافِي اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ۔

(رواہ ابو ہریرۃ فی البخاری والمسلم بحوالہ ص:۱۹۱)

دو آدمی وہ ہوں گے جنھوں نے اللہ کے لیے آپس میں محبت کی، اس کے لیے جمع ہوئے اور اس کے لیے علیحدہ ہوئے۔

اور ان پر خدا کی رحمت ہو کہ انھوں نے ہم تک اللہ کا یہ فرمان بھی پہنچایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِيَّ؟ بِجَلَالِيْ الْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ۔

(عن ابی ہریرۃ فی المسلم بحوالہ ص:۴۲۵)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا: کہاں ہیں وہ جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے تھے۔ آج کے دن میں انھیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا اور آج کے دن سوائے میرے سائے کے کوئی سایہ نہیں ہے۔

اور ان کے لیے وہ کیا ہی بلند درجات ہوں گے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے یوں دی ہے کہ:

اَلْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَآءُ۔ (عن معاذ بن جبل فی الترمذی ص:۴۳۶)

جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں نور کے منبر ہوں گے اور انبیاء وشہداء ان پر رشک کریں گے۔

اللہ کے لیے اور ایمان کی بنیاد پر باہم یہ گہرے مستحکم اور محبت کے جذبات سے لبریز تعلقات اسلامی تحریک کے لیے اتنے اہم ہیں کہ ان کی خرابی کو انتہائی تشویش کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے۔ انقطاعِ تعلق کے بارے میں جو سخت تنبیہات آئی ہیں، باہم صلح کرنے اور کرانے کے لیے جو وعدے آئے ہیں اور تعلقات خراب کرنے والوں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے

اس پر تفصیلی گفتگو تو آگے آئے گی۔لیکن یہ بات ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باہمی تعلقات کی خرابی اور بغض کو ایک ایسے استرے سے تشبیہہ دی ہے جو پورے دین کو مونڈ کر صاف کر دے۔

هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔ (عن ابی درداءؓ فی احمد و ترمذی ص: ۱۴۲ دم)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعلق کے اثرات کتنے ہمہ گیر ہوتے ہیں جو لوگ بھی خلوصِ دل سے اس دین سے منسلک ہوں گے ان کے قلب سے اپنے ساتھیوں کے لیے لازماً محبت کے چشمے ابلنے لگیں گے اور یہ تعلق اتنا عزیز ہوگا اور ان کے سینوں میں اس کی اتنی قدر و قیمت ہوگی کہ وہ کوئی سا نقصان برداشت کر لیں گے۔لیکن اس کا زیاں برداشت نہ کریں گے۔

اسلامی تحریک کے کارکنوں کا یہ باہمی محبت، الفت اور پیار کا وہ تعلق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم ترین انعامات میں سے شمار کیا ہے اور جس اسلامی جماعت کو یہ نعمت مل جائے اس پر اس کا بڑا خاص فضل و کرم ہے کیونکہ یہ تعلق ہی جماعت کی زندگی اور حرارت کا ضامن ہے اور افراد کو وہ ماحول دیتا ہے جس سے وہ ایک دوسرے کا سہارا بن کر راہِ حق کی منزلیں طے کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو نیکی کی راہ پر چلانے کے لیے مستقل کوشاں رہتے ہیں۔قرونِ اولیٰ کی اسلامی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے باہمی اتحاد و محبت اور اخوت کی جو عظیم دولت بخشی تھی اس کی یاددہانی سورۂ آلِ عمران میں کی گئی ہے اور اسے اپنی نعمت بتایا گیا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ (ال عمران: ۱۰۳)

اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔ (آل عمران)

پھر سورۂ انفال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ روئے زمین کی ساری دولت خرچ کرنے کے بعد بھی یہ آپ کے بس کی بات نہ تھی کہ آپ مسلمانوں کے دلوں کو اس طرح الفت و محبت کے رشتے میں جوڑ دیتے۔ یہ صرف اللہ کی قدرت

ہے کہ اس نے ایسا کیا اور وہی ایسا کر سکتا تھا۔ اس نے ایک دین دیا اور اس دین پر ایمان اور اس دین سے محبت کی توفیق دی اور اسی کا نتیجہ ہے یہ پیار و محبت:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ (انفال:۶۳)

اگر خرچ کرتا تو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب، نہیں محبت ڈال سکتا تھا ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے ان کے درمیان محبت ڈال دی۔

سیرت کی بنیادی خصوصیات

باہمی تعلقات کا جو معیار اسلام نے مقرر کیا ہے اسے قائم و برقرار رکھنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول نے حقوق و فضائل کا ایک ضابطہ بھی تجویز کر کے دیا ہے۔ اس ضابطہ پر عمل کر کے ان تعلقات کو بآسانی دین کے مطلوبہ معیار پر پہنچایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس ضابطہ کی اساس چند بنیادی امور پر قائم ہے جنھیں اگر انسان اپنی سیرت میں اختیار کرے تو ان حقوق و فضائل میں سے ایک ایک چیز ان بنیادی صفات کے منطقی نتیجہ کے طور پر ظہور پذیر ہوتی چلی جائے گی۔ یا یوں کہیے کہ پھر یہ صفات آدمی کے اندر سے ایک ایک حق کو ادا کرنے اور ایک ایک فضیلت کو اختیار کرنے کے لیے تقاضا اور مطالبہ کریں گی اور پھر قدم قدم پر نصیحت یا تنبیہہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔ سب سے پہلی اور بنیادی چیز خیر خواہی ہے۔

خیر خواہی

خیر خواہی کے لیے احادیث میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ ''نصیحت'' ہے اور یہ لفظ اپنے دامن میں بڑے وسیع معانی سمیٹ لیتا ہے اسی لیے زبان رسالت نے یہاں تک فرمایا کہ:

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ (ثلاثا)

دین سراسر خیر خواہی ہے۔ (تین بار) (مسلم۔ م ص ۴۲۳)

پھر مزید تشریح کے طور پر ان کے نام شمار کرائے گئے جن کے ساتھ خیر خواہی مطلوب ہے اور ان میں عامۃ المسلمین کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ نے کچھ ساتھیوں سے عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی (نصیحت) کی بیعت کی۔ مسلمانوں معانی کی روشنی میں اس لفظ کا

مفہوم یہ ہے کہ تعلق میں کھوٹ نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں ہم اس صفت کو اس طرح متعین کر سکتے ہیں کہ آدمی کے اوپر ہمیشہ اپنے بھائی کی بھلائی و بہتری کی فکر ہی غالب رہے۔ اسی کی بہتری کے لیے سرگرداں ہو اور ہر پہلو سے اس کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے۔ اس کا کوئی نقصان اور کوئی تکلیف گوارا نہ ہو اور دنیوی یا دینی، جس پہلو سے اس کو مدد پہنچا سکتا ہو اس کی کوشش کرے۔ اس خیر خواہی کا اصل معیار یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس لیے کہ آدمی خود کبھی اپنی ذات اور اپنے نفس کا بُرا نہیں چاہ سکتا بلکہ وہ اپنے لیے زیادہ سے زیادہ نفع، بھلائی اور بہتری کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ وہ اپنے نفس کے حقوق میں کمی گوارا نہیں کر سکتا۔ وہ اس کے فائدے کے لیے مال اور وقت خرچ کرنے میں دریغ نہیں کر سکتا۔ وہ اس کی برائی نہیں بن سکتا۔ وہ اس کی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتا۔ اور وہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ رعایت کا طالب ہوتا ہے۔ بس خیر خواہی کے معنی یہی ہیں کہ آدمی کی سیرت میں یہ صفت پیدا ہو جائے اور اس کا رویہ اس طرز پر نشو و نما پائے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔ مومن کے کردار کی اس صفت کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی ایک لازمی شرط ٹھیرایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔

اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔

پھر اس طرح ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو کچھ اہم حقوق بتائے گئے ہیں، ان میں اس خیر خواہی کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَیَنْصَحُ لَہٗ اِذَا غَابَ اَوْشَہِدَ۔

کہ وہ اپنے بھائی کی خیر خواہی کرے خواہ وہ غائب ہو یا موجود ہو۔

اور دوسری حدیث میں بھی یہی بات یوں کہی گئی ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

وَ یُحِبُّ لَهٗ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔

وہ اس کے لیے وہی چیز پسند کرے، جو اپنے لیے کرتا ہے۔

آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ خیر خواہی کی یہ صفت اپنے دامن میں کتنے حقوق و فضائل سمیٹ لیتی ہے جو براہ راست اس کے لازمی تقاضے کے طور پر وجود میں آتے ہیں۔

ایثار

جب ایک مسلمان اپنے بھائی کے لیے نہ صرف یہ کہ وہی پسند کرتا ہے جو اپنی ذات کے لیے بلکہ اس کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے تو کردار کی یہ صفت ایثار ہے اور یہ دوسری بنیادی صفت ہے۔

ایثار کا لفظ اِثر سے نکلا ہے اور اس کے معنی قدم رکھنے اور ترجیح دینے کے ہیں۔ یعنی مسلمان اپنے بھائی کی بھلائی اور بہتری کو اپنے نفس کی بھلائی اور بہتری پر ترجیح دے۔ اپنی ضرورت کو مؤخر کر کے دوسرے کی ضرورت پوری کر دے۔ خود تکلیف اٹھائے دوسروں کو آرام پہنچائے۔ خود بھوکا رہے دوسرے کا پیٹ بھر دے، اپنی طبیعت اور مزاج پر ناگواریاں جھیل لے لیکن اپنے بھائی کے دل پر حتی الوسع کسی ناگواری کا میل نہ آنے دے۔

یہ صفت ایک بلند اخلاقی فصیلت ہے اور ہر شخص سے اس کا تقاضا نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ اس کی بنیاد پر حقوق تو متعین نہیں کیے گئے لیکن خود اس کی اور اس کی بنیاد پر بے شمار اخلاقی فضائل کی تاکید کی گئی ہے۔

یہ ایثار سب سے پہلے ضروریات کے دائرہ میں ہونا چاہیے۔ پھر آسائش و آرام کے دئرہ میں اور پھر مزاج کے تقاضوں کے دائرہ میں۔ یہ آخری چیز خاصی اہم ہے۔ تمام انسان مختلف المزاج ہوتے ہیں اور اس طرح ان کے تقاضے مختلف النوع، اور اگر ہر انسان اپنے مزاج کے تقاضوں پر اَڑ جائے تو معاشرہ درہم برہم ہوجائے لیکن اگر وہ دوسرے کے ذوق، پسند اور دلچسپی کو ترجیح دینا سیکھ جائے تو پھر انتہائی شیریں اور مخلصانہ تعلقات وجود میں آتے ہیں۔

پھر اس ایثار کا بلند تر درجہ یہ ہے کہ جب ایک آدمی خود تنگی اور عسرت کی حالت میں ہو اور پھر اپنے بھائی کی ضروریات اپنی ضروریات پر مقدم رکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھیوں کی زندگی ان واقعات سے بھری پڑی ہے اور قرآن نے ان کی صفت کی تعریف کی ہے۔

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر:۹)

اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم رکھتے ہیں اگر چہ ان پر تنگی ہی کیوں نہ ہو۔

انصار نے جس طرح باوجود اپنی عسرت کے مہاجر بھائیوں کا استقبال کیا اور ان کو اپنے درمیان جگہ دی، یہ ایثار کی اچھوتی مثال ہے۔ ایک واقعہ حضرت ابوطلحہ انصار کا ہے جو اس آیت کے شانِ نزول کے طور پر بیان کیا جاتا ہے اور جس میں اس کا بہترین انطباق پایا جاتا ہے۔

''ایک دفعہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھوکا آیا۔ کاشانۂ نبویؐ میں کچھ نہ تھا۔ آپؐ نے فرمایا جو شخص اس کو آج کی رات مہمان بنائے خدائے تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا۔ حضرت ابوطلحہ اس کو اپنے گھر لے گئے لیکن گھر جا کر بی بی سے معلوم ہوا کہ اتنا ہی کھانے کو ہے کہ مہمان کا پیٹ بھر سکے۔ بولے بچوں کو سلا دو اور چراغ کو بجھا دو۔ ہم دونوں رات بھر بھوکے رہیں گے۔ البتہ مہمان پر یہ ظاہر کریں گے کہ ہم کھا رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح کو رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا۔ خدائے تعالیٰ تمہارے اس حسنِ سلوک سے بہت خوش ہوا اور یہ آیت سنائی۔ (بخاری، مسلم)

یہ مالی تنگی میں ایثار کا واقعہ تھا لیکن اس سے زیادہ نادر واقعہ ایک جہاد کا ہے جو شانِ ایثار کی انتہائی شکل ہے۔ جب ایک زخمی کے پاس میدانِ جنگ میں پانی پہنچایا گیا تو پاس سے کراہنے کی آواز آئی، انھوں نے کہا پہلے ان کے پاس لے جاؤ۔ جب ان کے پاس پہنچے تو پھر یہی واقعہ پیش آیا اور انھوں نے بھی مرتے وقت اپنے ساتھی کو اپنے اوپر ترجیح دی اور اس طرح چھٹے آدمی تک نوبت آئی اور ہر ایک دوسرے کو اپنے اوپر مقدم کرتا رہا۔ جب چھٹے کے پاس پہنچے تو وہ ختم ہو چکے تھے اور جب پہلوں کے پاس آئے تو سب جان بحق تسلیم ہو چکے تھے۔ رضی اللہ عنہم۔

اس طرح ایثار کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی اپنے لیے کمتر چیز پر راضی ہو جائے اور اپنے ساتھی کو بہتر چیز دے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگل میں جا رہے تھے۔ آپؐ نے دو مسواکیں کاٹیں۔ ایک سیدھی تھی اور ایک ٹیڑھی۔ آپ کے ساتھ ایک صحابیؓ تھے۔ آپؐ نے سیدھی مسواک انھیں دے دی اور ٹیڑھی خود رکھ لی، انھوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ بہتر ہے اور

آپ کے لیے اچھی ہے۔ آپ نے فرمایا جو کوئی شخص کسی سے ایک ساعت بھی صحبت رکھتا ہے تو اس سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا کہ اس نے حق صحبت کا خیال رکھا یا اس کو ضائع کیا۔ (کیمیائے سعادت) یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ایثار بھی صحبت کا ایک حق ہے۔

سیرت کی دو اہم بنیادی صفات جن کو اگر مومن اختیار کر لے تو نہ صرف یہ کہ تعلقات کی خرابی کو کہیں سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکے گا بلکہ یہ انتہائی شیریں ہو جائیں گے، عدل اور احسان ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے بحیثیت حکم کے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (نحل:۹۰)

اللہ تعالیٰ عدل اور احسان پر کار بند رہنے کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے (إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ) کا انداز بیان قابل غور ہے۔

عدل کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم ہو اور دوسرے یہ کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ ''اور عدل کے'' حکم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی، قانونی، سیاسی، تمدنی، حقوق پوری ایمانداری کے ساتھ ادا کیے جائیں۔ یعنی ایک مسلمان اپنے بھائی کے وہ تمام حقوق ادا کرے جو شریعت نے عائد کیے ہیں۔ اپنے معاملات اس طرز پر طے کرے جس طرز پر شریعت چاہتی ہے۔ سلوک اس نوعیت کا ہو جس نوعیت کا شریعت تقاضا کرتی ہے اور برتاؤ میں وہی روش اختیار کرے جس کا حکم شریعت نے دیا ہے۔ اس لیے کہ شریعت ہی وہ نظام ہے جس میں عدل کے تمام تقاضے بکمال حسن و خوبی ملحوظ رکھے گئے ہیں۔

وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ
(حدید:۲۵)

اور اتاری ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تا کہ لوگ انصاف کو قائم رکھیں۔

اسی طرح اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی سے برائی کا بدلہ لے تو بس اتنا ہی لے جتنی برائی کی گئی ہے جو اس سے بڑھا اس نے عدل سے تجاوز کیا۔

عدل کی مزید تشریح جو اس کے تصور کو بالکل مکمل کر دیتی ہے اس حدیث میں ہے جس

میں نبی کریم صلعم نے ان نو باتوں کا ذکر کیا ہے جن کا حکم اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

كَلِمَةُ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَاءِ.

غضب کی حالت ہو یا ناراضگی کی، بہرصورت عدل کے کلمے پر رہو۔

دراصل کمالِ سیرت کی بنیادی علامت یہ ہے کہ آدمی کی قلبی کیفیت کچھ بھی ہو، لیکن وہ عدل کے راستے سے سرِ مو نہ ہٹے اور اس میں اصل چیز یہ ہے کہ آدمی کے کردار میں اتنی طاقت ہو کہ خواہ آدمی کے دل میں اپنے بھائی کی طرف سے غبار اور میل ہو لیکن پھر بھی وہ اپنے معاملات، برتاؤ اور رویہ کو شریعت کے تقاضوں سے پٹنے نہ دے۔ اس عدل کے بعد اگلی چیز احسان ہے جو عدل سے زائد ایک چیز ہے۔

احسان

اس کی اہمیت باہمی تعلقات میں عدل سے بھی زیادہ ہے۔ عدل اگر تعلقات کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور کمال ہے۔ عدل اگر تعلقات کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں شیرینیاں اور خوشگواریاں پیدا کرتا ہے۔ کوئی تعلق صرف اس بنیاد پر قائم نہیں رہ سکتا کہ ہر فریق ناپ تول کر کے دیکھتا رہے اور اپنے واجب الوصول حقوق میں کسی طرح کی کمی اور دوسروں کے واجب الادا حقوق میں کسی طرح کا اضافہ گوارا نہ کرے۔ ایسے ایک کھرے تعلق میں کش مکش تو نہ ہوگی مگر محبت وشکرگزاری، عالی ظرفی وایثار اور اخلاق وخیر خواہی کی نعمتوں سے وہ محروم رہے گا جو دراصل زندگی میں لطف وحلاوت پیدا کرنے والی ہیں۔ یہ نعمتیں احسان سے حاصل ہوں گی جس سے مراد ہے نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی، درگزر، باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس ولحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر ہی راضی ہو جانا۔

اس احسان کا تصور بھی نو باتوں والی حدیث کی تین باتیں مکمل اور واضح کرتی ہیں کہ:

اَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِيْ وَاُعْطِيَ مَنْ حَرَمَنِيْ وَاَعْفُوا عَمَّنْ ظَلَمَنِيْ.

جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں اور جو مجھ کو (حق سے) محروم کرے میں اسے (اس کا حق) دوں اور جو میرے اوپر ظلم کرے میں اس کو معاف کر دوں۔

یعنی کردار کی یہ صفت اس کا تقاضا کرتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ آدمی اپنے بھائی کو بھلائی کا بدلہ اس سے زائد بھلائی سے دے بلکہ یہ بھی کہ اگر وہ برائی کرے تو اُس کا جواب بھی بھلائی سے دے۔

وَيَدْرَؤُنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ.

اور برائی کو بھلائی کے ذریعہ دفع کرتے ہیں۔

ان چار صفات کے بعد پانچویں چیز وہ ہے جس کے لیے میں رحمت کا لفظ استعمال کروں گا لیکن جس کے لیے نہ معلوم کتنی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔

رحمت

رحمت کا لفظ میں نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے باہمی تعلق کی تصویر کھینچنے کے لیے اس لفظ کو اختیار کیا ہے اور یہ چیز اس کے وسعتِ معانی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (فتح:۲۹)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو لوگ ان کے ساتھی ہیں کفار پر سخت ہیں اور باہم سراپا رحمت ہیں۔

اس صفت کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ہم اس کو دل کی نرمی اور گداز سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کے نتیجہ میں آدمی کا رویہ اپنے بھائی کے لیے انتہائی محبت، گرم جوشی، سوز و شفقت اور الفت کا مظہر ہو جاتا ہے۔ اس کے بھائی کو اس سے ذرّہ برابر بھی کوئی ایذا تکلیف یا ٹھیس پہنچنے کا تصور بھی اس کے لیے کربناک ہوتا ہے یہ رحمت ہی کی صفت ہے جو آدمی کو ہر دلعزیز بناتی ہے اور انسانوں کو اس کی طرف پروانہ وار کھینچتی ہے۔ رسول اللہ کی اہم صفات میں سے ایک صفت یہی ہے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے اور دعوت و تربیت کے سلسلہ میں اس کی کئی مثالیں پیش کی ہیں:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (توبہ:۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس خودتم میں سے رسول آیا۔تم کوکوئی تکلیف پہنچے تو ان کوگراں ہوتی ہے۔تمہاری بھلائی پر وہ حریص ہے اور مومنین کے لیے سراپا الفت ورحمت۔

اور سورۂ آلِ عمران میں بتایا گیا ہے کہ اگر آپؐ کا دل نرم نہ ہوتا تو لوگ کبھی آپؐ کے گرد جمع نہ ہوتے اور یہ دل کی نرمی اللہ کی رحمت ہے۔فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ (آلِ عمران:۱۵۹)

اللہ کی رحمت سے آپؐ ان کے لیے نرم دل واقع ہوئے ہیں۔اگر کہیں بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

ایمان کا نتیجہ الفت ہے اور الفت سخت دلی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔لہٰذا ایک مومن جو سراپا الفت ہوتا ہے۔سراپا نرمی بھی ہوتا ہے۔ورنہ اس کے لیے ایمان میں کوئی بھلائی نہیں۔ اس حقیقت پر رسول اللہ نے یوں روشنی ڈالی ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ۔

مومن محبت والفت کا پتلا ہوتا ہے اور جو نہ محبت کرتا ہے اور نہ اس سے محبت کی جاتی ہے اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

اور اس لیے یہ فرمایا کہ:

مَنْ يُّحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ (عن جریر فی المسلم۔مشکوٰۃ)

جو نرمی سے محروم کیا گیا وہ بھلائی سے محروم کردیا گیا۔

اس بات کی مزید تشریح یوں کی:

مَنْ اُعْطِىَ حَظَّهٗ مِنَ الرِّفْقِ اُعْطِىَ حَظَّهٗ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (عن عائشۃ شرح السنۃ ۴۳۱)

کہ جس شخص کو نرمی سے اس کا حصہ دیا گیا اس کو دنیا اور آخرت کی بھلائی میں سے اس کا حصہ دے دیا گیا۔

آپ نے ایک دفعہ جنتی آدمیوں میں سے ایک شخص کو گنایا جو اپنے رشتہ داروں اور ہر مسلمان کے لیے رحیم اور رقیق القلب ہے رحیم رقیق القلب لکل ذی قربیٰ ومسلم (رواہ مسلم) یہ اس کے لیے رحمت سے محرومی اور بدبختی ہے جو زمین پر بندوں پر رحم نہیں کرتا وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے اور جو زمین پر اللہ کے بندوں پر رحمت کرتا ہے اس کے لیے اللہ کی رحمت واجب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ۔ (عن ابی ہریرۃ احمد، الترمذی، مشکوٰۃ ص: ۴۲۳)

رحمت کسی سے چھینی نہیں جاتی مگر اس سے جو بدبخت ہو۔

اور مزید یہ کہ:

الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ۔ (عن عبداللہ بن عمر۔ رواہ ابوداؤد والترمذی مشکوٰۃ ص: ۴۲۳)

جو رحم کرنے والے ہیں۔ رحمٰن ان پر رحم کرتا ہے، تو زمین والوں پر رحم کرو تا کہ آسمان والا تم پر رحم کرے۔

اس نرمی و رحمت کے جو دو مختلف پہلو چھوٹوں اور بڑوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یعنی شفقت وعزّت اس کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا۔

(ابی داؤد ترمذی مشکوٰۃ ص: ۴۲۳)

جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک مسلمان اپنے بھائی کے ساتھ تعلقات میں سراپا نرم ہوتا ہے اور اپنے معاملات میں اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے اس کے دل کو خوش رکھے اور اس کو تکلیف نہ ہونے دے اور اس کا ہر جائز مطالبہ پورا کر دے اس امر کو رسول اللہ ﷺ نے ایک مثال سے یوں سمجھایا کہ:

اَلْمُؤمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ كَالْجَمَلِ اِنْ قِيْدَ انْقَادَوَاِنْ اُلِيْخَ عَلٰى مَخْرَةٍ اِسْتَنَاخَ۔ (رواہ الترمذی عن مکحول۔ مشکوٰۃ ۴۲۳)

مومن بُردبار اور نرم دل ہوتے ہیں، اس اونٹ کی مانند جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو۔ اگر کھینچا جائے تو کھنچتا چلا جائے اور پتھر پر بٹھایا جائے تو پتھر پر بیٹھ جائے۔

قرآن نے بڑے مختصر انداز میں اس پوری کیفیت کو یوں بیان کیا ہے۔ (اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ)

دراصل یہ رحمت سیرت کی وہ صفت ہے جو تعلقات میں ایک نئی روح ڈال دیتی ہے اور ان کے حسن و جمال کو مکمل کرتی ہے اور ایک شخص جو ایک مرتبہ اس رحمت سے لطف اندوز ہو جاتا ہے پھر اس کا دل اس تعلق کو توڑنے کے لیے مشکل سے راضی ہوتا ہے جس کے ذریعہ اس کو یہ نعمت ملتی ہے۔

عفو

عفو کا مفہوم معاف کر دینا ہے لیکن اس مفہوم میں وہ بہت ساری چیزیں شامل ہیں جو الگ الگ بھی شمار ہوتی ہیں لیکن چونکہ ان کا اس صفت سے گہرا تعلق ہے اس لیے ہم نے انھیں اس کے تحت شامل کر دیا ہے۔ مثلاً غصہ کا ضبط کرنا، صبر و تحمل اور بُردباری وغیرہ۔

جب دو آدمیوں کا تعلق قائم ہوگا تو یہ ایک فطری امر ہے کہ ہر ایک سے بہت ساری ایسی چیزیں سرزد ہوں گی جو دوسرے کے لیے ناگواری، تلخی، تکلیف اور اذیت کا باعث ہوں گی، جن پر اسے غصہ آئے گا اور جن میں سے بعض پر اُسے قانوناً بدلہ لینے کا حق بھی ہوگا۔ ایک پیار و محبت کا تعلق اپنے استحکام کے لیے اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ ایسے تمام موقعوں پر محبت غالب آئے اور ایک بھائی میں اتنی وسیع القلبی ہو کہ وہ اپنے غصہ کو پی جائے اور باوجود انتقام کی قدرت کے انتقام نہ لے اور اس طرح عفو کی روش پر کاربند ہو۔ رسولؐ اللہ کا یہ خاص شیوہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آپؐ کو بے شمار جگہ نصیحت کی ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ اور فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔

اور مسلمانوں کو تقویٰ کی صفات بتاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ (ال عمران: ۱۳۴)

جب آدمی کو کوئی تکلیف پہنچے یا کوئی نقصان ہو تو سب سے پہلے غصہ اس کے دل و دماغ پر قابو پانے کی کوشش شروع کرتا ہے اور اگر غصہ دل و دماغ پر قابو پالے تو پھر عفو تو درکنار آدمی ایسی ایسی حرکتیں کر بیٹھتا ہے کہ آئندہ خوش گوار تعلقات کی امید بالکل منقطع ہو جاتی ہے۔ اس لیے سب سے پہلے آدمی کو اپنا غصہ پی جانے کی فکر کرنی چاہیے۔ جب ہی وہ ٹھنڈے دل سے معاملہ پر غور کر سکے گا اور پھر اگر عفو کی پالیسی اختیار بھی نہ کرے تو کم از کم عدل سے تجاوز نہ کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف فرمودات میں اس کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے اس کو دبانے کی ترغیب دی ہے فرمایا:

اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ۔

(بیہقی، مشکوٰۃ۔ ۱۴۳، ۴۳۴)

بے شک غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر ڈالتا ہے جس طرح ایلوہ شہد کو۔

مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ تعالىٰ۔ (رواہ احمد حسن ابن عمر مشکوٰۃ: ۴۳۴)

بندہ کوئی گھونٹ نہیں پیتا جو اللہ کے نزدیک اس غصہ کے گھونٹ سے زیادہ بہتر ہو جو وہ خدا کی خوشنودی کی خاطر پی جاتا ہے۔

اسی طرح آپؐ نے صبر کی تعلیم دی اور یہ بتایا کہ سب سے بہتر رویہ یہ ہے کہ آدمی ایذاؤں پر صبر کرے اور مل جل کر رہے، بجائے اس کے کہ قطع تعلق کرے۔ آپؐ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰٓى اَذَاهُمْ اَفْضَلُ مِنَ الَّذِىْ لَا يُخَالِطُهُمْ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى اَذَاهُمْ۔

(عن ابن عمر۔ ترمذی و ابن ماجہ، مشکوٰۃ: ۴۳۳)

وہ مسلمان جو لوگوں سے ملا جلا رہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے اس سے بہتر ہے جو ماننا جاننا چھوڑ دے اور ایذاؤں پر صبر نہ کرے۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کو نصیحت کرتے ہوئے آپؐ نے منجملہ اور باتوں کے یہ کہا کہ:

عَبۡدًا ظُلِمَ بِظُلۡمَةٍ فَيَغۡضُ عَنۡهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا اَرَا للّٰهَ بِمَا نَصَرَهٗ۔ (بیہقی ابو ہریرہ)

جس بندہ پر ظلم کیا جائے اور وہ صرف خدا کے لیے خاموش رہے تو اللہ اس کی زبردست مدد کرتا ہے۔

صبر سے آگے مقام یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو خوش دلی کے ساتھ معاف کر دے باوجود اس کے کہ وہ انتقام اور بدلہ کی طاقت رکھتا ہو۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے سوال کیا کہ بندوں میں کون تیرے نزدیک عزیز ہے! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنۡ اَعَزَّ عِبَادَکَ عِنۡدَکَ قَالَ : مَنۡ اِذَا قَدَرَ عَذَرَ۔ (عن ابی ہریرہ، بیہقی)

وہ شخص جو انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے۔

اور اسی طرح جو آدمی اپنے بھائی کا عذر قبول نہ کرے اس کو یہ وعید سنائی، فرمایا کہ:

مَنِ اعۡتَذَرَ اِلٰى اَخِيۡهِ فَلَمۡ يَعۡذِرۡهُ اَوۡ لَمۡ يَقۡبَلۡ عُذۡرَهٗ عَلَيۡهِ مِثۡلُ خَطِيۡئَةِ صَاحِبِ مَكۡسٍ۔ (عن جابر رواہ بیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ:۴۳۹)

جس نے اپنے بھائی سے اپنے قصور کا عذر کیا اور اس نے اس کو معذور نہ سمجھا یا اس کا عذر قبول نہ کیا تو اس پر اتنا گناہ ہوا جتنا (ایک ناجائز) محصول وصول کرنے والے پر۔

اور آخرت میں بھی ایسے شخص کے لیے بہترین اجر ہے۔ چناں چہ آپؐ نے فرمایا:

مَنۡ كَظَمَ غَيۡظًا وَهُوَ يَقۡدِرُ عَلٰى اَنۡ يَنۡفِذَهٗ دَعَا اللّٰهُ عَلٰى رُؤُسِ الۡخَلَآئِقِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرُهٗ فِى اَىِّ حُوۡرٍ۔

(ترمذی، ابوداؤد، عن سہل بن معاذ، مشکوٰۃ ۴۳۲)

جس نے ضبط کر لیا اس حال میں کہ وہ اسے پورا کرنے کی قدرت رکھتا تھا قیامت کے دن خداوند کریم اسے تمام مخلوق کے سامنے بلائے گا اور جس حور کو چاہے اسے انتخاب کرنے کا اختیار دے دے گا۔

جو دنیا میں معاف کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف کرے گا۔

وَلۡيَعۡفُوۡا وَلۡيَصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۲﴾ (نور:۲۲)

چاہیے کہ وہ عفو و درگزر سے کام لیں۔ کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں

بخش دے۔ اللہ تعالٰی بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

برائی کے برابر برائی کا بدلہ لینا جائز ہے۔ لیکن جو معاف کر دے تو اس کا اجر خاص اللہ کے ذمہ ہے:

وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ (شوریٰ:۴۰)

برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے، پس جس نے معاف کیا اور مصالحت کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

عفو کی یہ صفت پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ بڑے عزم کا کام ہے۔

وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾ (الشوریٰ:۴۳)

اور جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

لیکن یہی وہ چیز ہے، جو تعلقات میں بڑی بلندی اور پاکیزگی پیدا کر دیتی ہے اور اس لیے یہ ایک انتہائی اہم صفت ہے۔

دو مزید صفات کا ذکر بھی یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک باہمی اعتماد اور دوسرے قدر و قیمت کا احساس۔

اعتماد

اعتماد کا پورا پورا تصور ولایت کا وہ لفظ اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے جو قرآن نے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی تعبیر کے لیے استعمال کیا ہے دراصل ولی کہتے ہی اس کو ہیں جو کاملاً قابل اعتماد ہو، جس کو آدمی اپنے تمام راز اور معاملات پورے اطمینان سے سپرد کر سکے۔ اخوّت کے اس تعلق کا تقاضا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں پر اعتماد کرے اور ان کو اپنے زندگی کے معاملات میں برابر کا شریک بنائے۔

قدر و قیمت کا احساس

یہ آخری چیز ہے اور اس کا مقصود صرف یہ ہے کہ آدمی اس تعلق کی اہمیت اور حیثیت سے اتنا واقف ہو کہ اس کا دل اس کی صحیح قدر و قیمت محسوس کر سکے۔ جب ہی یہ ممکن ہوگا کہ آدمی کسی قیمت پر بھی اس تعلق کا ٹوٹنا گوارا نہ کرے۔

ان بنیادی اصولوں اور صفات کی روشنی میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم کو تفصیلی

ہدایات دی ہیں تاکہ تعلقات کو مطلوبہ معیار پر استوار کیا جائے کچھ چیزیں منفی حیثیت رکھتی ہیں جو تعلقات کو خراب ہونے سے بچاتی ہیں۔ یعنی منہیات اور کچھ مثبت جو اس کو مزید استحکام اور محبت بخشتی ہیں، یعنی موجبات۔

سب سے اہم اور پہلی چیز جس سے روکا گیا ہے وہ حقوق میں دست درازی ہے۔

۱۔ حقوق میں دست درازی

ہر انسان اس کائنات میں کچھ حقوق کا مالک ہوتا ہے۔ یہ حقوق کائنات کی ان اشیاء میں بھی ہوتے ہیں جن کو انسان اپنے تصرف میں لاتا ہے اور انسانوں پر بھی جن سے وہ تعلقات قائم کرتا ہے۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس بات کی سختی سے نگہداشت کرے کہ اس کے بھائی کے، ان دو قسم کے حقوق میں سے کسی حق کو غصب کرنے کا جرم اس سے سرزد نہ ہو۔ مال یا زمین یا مادّی فوائد میں جو حق اس کے بھائی کا ہو وہ خود نہ حاصل کرے اور اس کی جان و مال عزت و آبرو اور دین کی طرف سے جو حقوق اس پر عائد ہوئے ہیں ان میں سے کوئی حق ادا ہونے سے نہ رہ جائے۔ یہی وہ حقوق ہیں جن کے بارے میں قرآن نے بے انتہا تفصیل اختیار کی ہے۔ وراثت، نکاح و طلاق اور دوسرے معاملات سے ایک ایک معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حدود عائد کر کے ان حقوق پر دست درازی سے روکا ہے۔ ان حقوق کی مزید تفصیلات احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ پھر جہاں جہاں یہ حدود بیان ہوئی ہیں وہاں انتہائی سخت اندازِ بیان اختیار کر کے حقوق اور خوفِ خدا کی نصیحت کی ہے اور ان کو توڑنے کے عواقب سے آگاہ کیا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ (البقرۃ:۲۲۹)

یہ اللہ کی حدود ہیں، پس ان سے تجاوز نہ کرو اور جو کوئی اللہ کے حدود سے تجاوز کرے وہی ظالم ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ
نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾ (نساء: ۱۳، ۱۴)

یہ اللہ کی حدود ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے تو اللہ اسے ان باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود کو توڑے تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلّت دینے والا عذاب ہے۔

بارگاہِ رسالت سے مسلمانوں کے سامنے یہ بات اس طرح ارشاد فرمائی گئی:

مَنْ اِقْتَطَعَ حَقَّ اِمْرَءٍ مُّسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ.

بے شک اللہ نے آگ کو واجب قرار دیا اور جنت حرام کر دی اس پر جس نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارا۔

رَوَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَّسِيْراً يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ فَقَالَ وَاِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِّنْ اَرَاكٍ.

(صحابہؓ میں سے کسی نے پوچھا) اگرچہ وہ کوئی معمولی سی چیز ہو۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں اگرچہ وہ پیلو کی ایک ناکارہ اور معمولی سی شاخ ہی کیوں نہ ہو۔

ایک مرتبہ آپؐ نے ایک بڑے مؤثر انداز میں اس بات کو واضح کرتے ہوئے صحابہ سے پوچھا:

اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْ هَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ ۔ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِىْ مَنْ يَّاتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكٰوةٍ وَّيَاتِىْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا فَضَرَبَ فَيُعْطىٰ هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فنيت حسناتُهٗ قَبْلَ اَنْ

يُّقضىٰ مَا عَلَيۡهِ اُخِذَ مِنۡ خَطَايَاهُمۡ فُطُرِحَتۡ عَلَيۡهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ، مشکوۃ:۵۴۳۵)

جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عام معنوں کے لحاظ سے کہا کہ مفلس وہ ہے جو مال ومتاع سے خالی ہو۔ آپؐ نے کہا: میری امت میں اصل مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ جیسے اعمال کا ذخیرہ لائے اور ساتھ ہی یہ اعمال بھی لائے کہ کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا اور کسی کو مارا، پھر ایک مظلوم کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور دوسرے مظلوم کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی اور فیصلہ چکانے سے پہلے اگر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو پھر حق داروں کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر اُسے آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

دنیا میں تعلقات کو خرابی سے بچانے کے لیے اور آخرت کے اس عذاب سے کے لیے حقوق کا پورا تحفظ ضروری ہے اور اس لیے رسول اللہؐ نے خاص طور پر نصیحت کی کہ موت سے پہلے اپنے مسلمان بھائیوں سے اپنی غلطیاں معاف کرالو۔

حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں بنیادی چیز یہ ہے کہ ایک مسلمان بھائی کا جسم اور آبرو اس ہاتھ اور زبان سے محفوظ رہے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے اس چیز کو ایک مسلم کی لازمی صفات میں شمار کیا۔ فرمایا:

اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ (بخاری ومسلم، ترمذی وغیرہم عن عبداللہ بن عمر۔ ترجمان السنہ ۹۷۱)

مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے تمام مسلمان محفوظ رہیں۔

۲- جسم وجان کا تحفظ

ہر انسان کے لیے سب سے عزیز اور قیمتی اس کے جسم وجان ہوتے ہیں اور وہ ایسے کو کبھی اپنا بھائی نہیں سمجھتا جو اس معاملہ میں کوئی تجاوز کرے۔ لہٰذا اس ناحق خون سے سخت ترین انداز میں روکا ہے:

وَ مَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا وَ

غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ لَعَنَہٗ وَ اَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیۡمًا ﴿۹۳﴾ (النساء: ۹۳)

اور جو کوئی قتل کرے مومن کو قصداً پس اس کے لیے جزا ہے جہنم۔ ہمیشہ اس میں رہے گا اور غضب ہو اس پر اللہ کا، اور لعنت کی اس پر اللہ نے اور تیار کیا اس کے لیے عذاب بہت بڑا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر بڑے مؤثر انداز میں آپ نے مسلمانوں پر ایک دوسرے کی جان اور مال اور آبرو کو حرام قرار دیا اور پھر کہا:

دیکھو، میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ اسی طرح ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا:

وَسِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَّقِتَالُهٗ کُفْرٌ۔ (متفق علیہ ابن مسعود۔ مشکوٰۃ)

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر۔

ہاتھ سے زیادہ زبان کا معاملہ تعلقات میں بڑا نازک ہوتا ہے۔ یہ ہزار راستوں سے فتنے پیدا کرتی ہے اور ہر فتنہ اتنا پیچیدہ کہ اس کا مداوا بھی بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ اس کے فتنوں کے آگے بند باندھ دیا جائے۔ چنانچہ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے ایک طرف تو زبان کے متعلق بڑی تنبیہہ کی اور دوسری طرف تعلقات کے دائرہ میں وہ ایک ایک چیز جو خرابی و فساد کا سبب بنتی ہے، اس کی نشاندہی کر دی اور اس سے روک تھام کی تدابیر کیں۔

قرآن نے مسلمانوں کو بتایا:

مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ ﴿۱۸﴾ (ق: ۱۸)

کوئی بات نہیں نکلتی مگر اس کے پاس ایک نگراں حاضر ہوتا ہے۔

رسولؐ اللہ نے حضرت معاذ کو مختلف نصیحتیں کرتے ہوئے آخر میں اپنی زبان پکڑ کر فرمایا:

کُفَّ عَلَیۡکَ ھٰذَا تیرے اوپر لازم ہے کہ اس کو روکے رکھ۔

انھوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! کیا ہم جو کچھ بولتے ہیں اس کے بارے میں بھی قابل مواخذہ ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا:

ثَکِلَتۡکَ اُمُّکَ یَا مَعَاذُ ھَلۡ یَکُبُّ النَّاسَ عَلٰی وُجُوۡھِھِمۡ اَوۡ

عَلٰی مَنَاخِرِھِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِھِمْ۔ (ترمذی عن معاذ بن جبل ریاض الصالحین)

تیری ماں تجھ کو روئے اے معاذ! زبان کی کترنوں کے علاوہ اور کیا چیز ہوگی جس کی بنا پر لوگ منہ کے بل یا نتھنوں کے بل آگ میں گریں گے۔

سفیان بن عبداللہ نے سوال کیا کہ اپنے بارے میں کس چیز سے سب سے زیادہ ڈروں؟ آپؐ نے اپنی زبان پکڑی اور کہا: ''اس سے۔''

۳- بدکلامی اور بُرا بھلا کہنا

زبان کا یہ استعمال کہ انسان اپنے بھائی کے منہ پر بُرا بھلا کہے یا اس سے سختی سے گفتگو کرے اور اس سے طعن و تشنیع کرے، بالکل ناجائز ہے۔ اسی طرح بُرے نام سے پکارنا بھی اس کے تحت آتا ہے جس کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ:

وَلَاتَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ (حجرات:۱۱)

اور مت بدنام کرو ساتھ بُرے لقبوں کے۔ برا نام ہے بدکاری پیچھے ایمان کے۔

اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ:

لَا یَدخُلُ الْجَنَّۃَ الجوّاظُ الْجُعْظَرِیُ۔ (ابوداؤد بیہقی عن حارث بن وہیب: ۴۳)

کوئی بدخواہ اور سخت گو آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا۔

اِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیّ وَاَبْعَدَ کُمْ مِّنِّی مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَلثَّرْثَارُوْنَ الْمُسشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَیهِقُوْنَ۔

(ترمذی عن جابر جواہرِ رسالت)

یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے روز میرے نزدیک سب سے مبغوض اور مجھ سے سب سے زیادہ دور بکواس کرنے والے، دریدہ دہن، فوقیت جمانے والے اور علم کے جھوٹے مدعی و متکبرین ہوں گے۔

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ۔ (ترمذی عن ابن مسعود، مشکوٰۃ ۴۱۳)

اور یہ بھی کہا کہ مومن نہ تو طعنے دینے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا نہ فحش بکنے والا، نہ زبان دراز۔

اصل چیز یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی عزت پر کوئی حملہ اُس کے سامنے نہ کرے۔

غیبت

ایک دوسرا فتنہ غیبت ہے اور یہ پہلے سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس میں انسان اپنے بھائی کو سامنے نہیں بلکہ اس کی پیٹھ پیچھے برا کہتا ہے۔ جب کہ وہ اپنے دفاع پر قادر نہیں ہوتا۔ قرآن نے غیبت کرنے کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کے کھانے سے تشبیہہ دی ہے:

وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ؕ (حجرات: ۱۲)

اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی تعریف کرتے ہوئے ایک دفعہ صحابہؓ سے سوال کیا۔ ''کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟''

صحابہؓ نے عرض کیا ''اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا:

قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيلَ اَفَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ اَخِيْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُوْلُ اِغْتَبْتَهُ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهُ۔ (مسلم عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ۴۱۲)

غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو جو اسے ناپسند ہو۔ کہا گیا، اگر وہ برائی میرے بھائی میں موجود ہو جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: تو نے اگر ایسی برائی کی جو اس میں موجود ہے تو غیبت کی اور اگر اس میں موجود نہیں ہے تو اس پر بہتان لگایا۔

مسلمان بھائی کی عزت اس کی متقاضی ہے کہ اس کا بھائی اس کی پیٹھ کے پیچھے اس کو بُرے الفاظ سے نہ یاد کرے۔

۵- چغل خوری

غیبت ہی کی ایک مخصوص شکل چغل خوری ہے۔قرآن اس کی برائی یوں کرتا ہے:

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ۝ (القلم:۱۱)

لوگوں پر آوازے کسنے والا اور چغلیاں کھانے والا۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہؐ کو یہ کہتے سنا ہے کہ چغلخور جنت میں نہ جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو خاص طور پر نصیحت کی!

لَا يُبَلِّغُنِي اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِيْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ۔ (داؤدابن مسعود،مشکوٰۃ ص:۴۱۴)

کوئی شخص کسی کے بارے میں کوئی بات مجھے نہ پہنچائے۔اس لیے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جب تمہارے پاس آؤں تو ہر ایک کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو۔

غیب اور چغل خوری میں زبان کے علاوہ ہاتھ پاؤں اور چشم کے ذریعہ برائی کرنا بھی آتا ہے۔

۶- عار دلانا

برائی کی ایک قبیح،فساد پیدا کرنے والی اور دلوں میں افتراق ونفرت پیدا کرنے والی چیز یہ ہے کہ مسلمان اپنے بھائیوں کو اُن کے منہ پر یا دوسروں کے سامنے ان کے گناہوں پر عار دلا کر شرمندہ کرے اور اس طرح اس کو رسوا کرے۔اس حرکت سے دل پھٹ جاتے ہیں اس لیے کہ اس طرح کی رسوائی کوئی شخص بھی گوارا نہیں کرسکتا۔

قرآن نے کہا ہے کہ:

وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَکُمْ۔ (الحجرات:۱۱)

اپنے بھائیوں کو عیب نہ لگاؤ۔

رسول اللہؐ کی ایک حدیث ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ پر عار دلائے تو وہ نہیں مرے گا جب تک کہ اس سے یہ گناہ سرزد نہ ہو مَنْ عَیَّرَ اَخَاہُ بِذَنْبٍ لَّمْ یَمُتْ حَتّٰی یَعْمَلَہٗ اس روایت کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور غریب کہا ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت میں جس میں آپ نے مسلمانوں کے کئی حقوق شمار کرائے، یہ بھی فرمایا ''انھیں کسی عیب و معصیت کا ہدف بنا کر شرمندہ و ذلیل نہ کرو۔ (ترمذی و مشکوٰۃ)

۷- تجسس

عیب لگا کر شرمندہ کرنے سے پہلے ایک اور برائی آتی ہے اور وہ یہ کہ آدمی اپنے بھائی کی خرابیوں کی ٹوہ لگاتا پھرے ان کا تجسس کرے اس لیے کہ جس کا تجسس کیا جائے، اسے بھی گراں گزرتا ہے اور جس کے علم میں اپنے بھائی کی برائیاں آتی ہیں۔ اس کے دل میں گرہ پڑ جاتی ہے اور چونکہ تجسس کبھی معیاری ذرائع تحقیق کی اجازت نہیں دیتا اس لیے اکثر اس کا امکان رہتا ہے کہ ادھورے ذرائع تحقیق پر اعتماد کر کے اپنے بھائی کے بارے میں بری رائے قائم کر لے اور اس طرح بدظنی جیسے برے جرم کا مرتکب ہو۔ اسی لیے قرآن نے بدظنی کے بعد فوراً مسلمانوں سے کہا:

وَلَا تَجَسَّسُوْا (الحجرات) اور عیب کی ٹوہ نہ لگاؤ۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی ہدایت کی ہے کہ:

وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِھِمْ فَاِنَّہٗ مَنْ یَّتَّبِعُ عَوْرَۃَ اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ یَتَّبِعُ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ وَمَنْ یَّتَّبِعِ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یُفْضِحْہُ وَلَوْ فِیْ جَوْفِ رَحْلِہٖ۔ (ترمذی عن عبداللہ بن عمر، مشکوٰۃ)

مسلمانوں کی عیب جوئی کے درپے نہ ہو اس لیے کہ جو اپنے کسی مسلم بھائی کے پوشیدہ

عیب و معصیت کے پیچھے لگتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے پوشیدہ عیب و معصیت کو طشت از بام کرنے پر تل جاتا ہے اور جس کے عیب افشا کرنے پر اللہ تل جائے تو وہ اس کو رسوا کر کے ہی چھوڑتا ہے اگر چہ وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر ہی کیوں نہ بیٹھ رہے۔

۸۔ تمسخر

زبان کی برائیوں میں سے ایک بڑی برائی جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے جدا کرتی ہے وہ تمسخر ہے۔ یعنی مذاق اڑانا اور اس کا ایسا بد مذاق اڑانا جس میں تحقیر شامل ہو، بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اکثر و بیشتر تمسخر نتیجہ ہوتا ہے دوسرے کو حقیر سمجھنے کا اور اپنے کو برتر سمجھنے کا، قرآن کریم نے اس پر اس طرح متنبہ کیا ہے۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ

(حجرات:۱۱)

اے ایمان والو! نہ ٹھٹھا کرے کوئی کسی قوم سے شاید کہ وہ تم سے بہتر ہوں اور نہ کوئی عورت کسی عورت سے شاید کہ وہ بہتر ہوں ان سے۔

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی سے تمسخر کرتا ہے آخرت میں اس کے انجام کی بڑی عبرت ناک سزا کی تصویر رسول اللہؐ نے اس طرح کھینچی ہے:

اِنَّ الْمُسْتَهْزِئِیْنَ بِالنَّاسِ یُفْتَحُ لِاَحَدِ هِمْ فِی الْاٰخِرَةِ بَابٌ مِّنَ الْجَنَّةِ فَیُقَالُ لَهٗ هَلُمَّ فَیَجِیْئُ بِكَرْبِهٖ وَغَمِّهٖ فَاِذَا جَآئَهٗ اُغْلِقَ دُوْنَهٗ ثُمَّ یُفْتَحُ لَهٗ بَابٌ اٰخَرُ فَیُقَالُ لَهٗ هَلُمَّ فَیَجِیْئُ بِكَرْبِهٖ وَغَمِّهٖ وَاِذَاجَآءَ هٗ اُغْلِقَ دُوْنَهٗ فَمَا یَزَالُ كَذَالِكَ حَتّٰی اَنَّ اَحَدُ هُمْ لِیُفْتَحُ لَهٗ الْبَابُ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَیُقَالُ لَهٗ هَلُمَّ لَا یَاْ تِیْهِ مِنَ الْیَاْسِ۔ (بیہقی عن حسن۔ جواہر رسالت ص:۱۹)

لوگوں کا مذاق اڑانے والے ہر فرد کے لیے قیامت کے دن جنت کا ایک دروازہ کھولا

جائے گا اور اسے کہا جائے گا ”تشریف لایئے“ وہ غم کے ساتھ آئے گا اور جیسے ہی دروازہ تک پہنچے گا اس پر دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر اس پر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا کہ ”آیئے آیئے“۔ تو وہ اپنے مصائب والم کے ساتھ آئے گا۔ جونہی وہ قریب پہنچے گا۔ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا یہاں تک کہ جب کسی کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ”آؤ“۔ تو وہ مایوسی کے سبب وہاں آنے اور داخل ہونے کی ہمت نہ کرے گا۔

تمسخر کی ایک شکل یہ ہے کہ دوسرے انسان کے عیوب کی نقل اتاری جائے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے کسی کی نقل اتاری تو آپؐ نے سخت ناپسند کیا اور فرمایا:

مَااُحِبُّ اَنْ حُکِیَتُ اَحَدٌ وَاِنْ کَانَ لِیْ کَذَا وَ کَذَا۔

(ترمذی عن عائشہ، مشکوٰۃ ص: ۴۱۴)

میں کسی کی نقل اتارنا پسند نہیں کرتا اگرچہ مجھے یہ اور یہ دے دیا جائے (یعنی کوئی بھی دنیوی نعمت)

۹۔ حقیر سمجھنا

جو چیز دل میں موجود ہوتی ہے اور ظاہری سطح پر گالی دینے، عار دلانے، چغل خوری کرنے اور غیبت کرنے اور تمسخر اڑانے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کو حقیر سمجھتا ہو۔ اس کیفیت کے بعد آدمی کی جرأت اپنے بھائی کے حق میں اس قسم کی حرکات کرنے کی ہوتی ہے ورنہ جس آدمی کو انسان اپنے سے بہتر جانتا ہو اس سے کبھی اس قسم کی حرکات نہیں کر سکتا۔ اس لیے قرآن نے تمسخر سے روکتے وقت اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر انسان یہ سوچ لے کہ اس کا بھائی اس سے بہتر ہو سکتا ہے تو وہ کبھی اس کا مذاق نہ اُڑائے۔ (عَسیٰ اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْراً مِّنْھُمْ)

ایمان اور تقویٰ کے ساتھ ایک مومن و مسلم بھائی کے لیے حقارت یا اس کو کم اور ذلیل سمجھنا کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ ہر آدمی کے عزوشرف کا معیار تقویٰ ہوتا ہے جس کا اصل فیصلہ بہر حال آخرت میں اللہ کے روبرو ہوگا۔ چنانچہ دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کو کم سمجھنے کے معنیٰ

تو یہ ہیں کہ وہ شخص ابھی ایمان کی اصل قدروں کو ہی نہیں سمجھا ہے۔ رسول اللہؐ نے ایک بڑی معنیٰ خیز حدیث میں یہ بتاتے ہوئے کہ تقویٰ دراصل قلب میں ہے، فرمایا کہ ایک آدمی کی ہلاکت کے لیے یہ بات کافی ہے۔

بِحَسْبِ اِمْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ۔

(مسلم عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ص: ۴۲۲)

ایک آدمی کے شریر ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔

ایک دوسری روایت میں حضورؐ نے یوں نصیحت فرمائی:

وَلَا یَخْذُلَہٗ وَلَا یُحَقِّرَہٗ۔

کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی نہ تو تذلیل کرے اور نہ تحقیر۔

ایک دفعہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا اور پھر ایک شخص کے سوال کے جواب میں تکبر کی تشریح یوں فرمائی:

بِطَرُدِ الْحَقِّ وَغَمَطِ النَّاسِ۔ (مسلم عن ابن مسعود، مشکوٰۃ ص: ۴۳۳)

تکبر سے حق رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا۔

حضرت ابوہریرہؓ ایک حدیث میں تین نجات دینے والے اور تین ہلاک کر دینے والے امور بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ وَھِیَ اَشَدُّ ھُنَّ۔

(بیہقی عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ۴۳۲)

ایک ہلاک کر دینے والی چیز اپنے آپ کو بزرگ و برتر سمجھنا ہے اور یہ بدترین عادت ہے۔

آج کے معاشرہ میں نہ صرف اپنے رفقاء کے ساتھ بلکہ عامۃ المسلمین کے ساتھ اپنے معاملات میں تحریک کے کارکنوں کو اس پہلو سے خاص احتساب کرنا چاہیے۔

۱۰- بدظنی

بدظنی کی بیماری ایسی بیماری ہے جو باہمی تعلقات کو گھن لگا دیتی ہے اور دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ ظن، معروف معنی میں ایسے خیال کے لیے بولا جاتا ہے جو بغیر واضح شہادت یا دلائل کے قیاساً قائم کرلیا جائے جس کی پُشت پر علم نہ ہو اور اگر یہ خیال بُرا ہو تو یہ بدظنی ہے۔ جب مسلمان اپنے بھائی کے بارے میں بغیر کسی علم کے بدگمانی شروع کردے تو محبت وہاں سے رخصت ہونے لگتی ہے۔

قرآن کریم نے اس سلسلہ میں اس طرح نصیحت کی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (حجرات:۱۲)

اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو اس بارے میں یوں نصیحت کی:

اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ۔

(بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ص: ۴۲۷)

تم ظن سے احتراز کرو اس لیے کہ ظن بدترین جھوٹی بات ہے۔

ظن سے بچنے کا سب سے اہم تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی نیت کے بارے میں کبھی کوئی بات بُری نہ کہے اور نہ سوچے۔ اس لیے کہ نیت ایسی چیز ہے جس کے بارے میں کبھی کوئی واضح علم نہیں ہوسکتا۔ یہ ہمیشہ قیاس ہی ہوگا۔ پھر اس بارے میں اگر چند باتیں پیش نظر رکھی جائیں تو اس بیماری کا بڑی آسانی سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

۱- پہلی بات یہ ہے کہ جہاں ایک طرف ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کی طرف سے بدگمانی نہ کرے وہاں یہ بھی فرض ہے کہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے بدگمانی کا موقع نہ دے۔ حتی الوسع ایسی بات سے احتراز کرے، جو بدگمانی کا موقع فراہم کرکے دیتی ہو۔ دوسرے کو فتنہ میں نہ ڈالنا چاہیے۔ اس کی مثال خود نبی کریمؐ نے فراہم کی ہے۔

ایک دفعہ آپ اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ رات کو ازواجِ مطہرات میں سے کوئی آپ

سے ملنے آئیں۔ آپ ان کو واپس پہنچانے چلے تو اتفاقاً راستے میں دو انصاری مل گئے وہ آپ کو عورت کے ساتھ دیکھ کر اپنی آمد کو بے موقع سمجھ کر واپس چلنے لگے۔ آپؐ نے فوراً آواز دی اور فرمایا ''میری فلاں بیوی ہیں۔'' انھوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! اگر کسی کے ساتھ بدگمانی کرنی ہوتی تو کیا آپ کے ساتھ کرتے؟''

آپ نے جواب دیا ''شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا ہے۔''

۲- اگر باوجود کوشش کے بدگمانی پیدا ہو تو پھر اس کو کبھی دل میں نہ رکھے کیونکہ بدگمانی کو دل میں رکھنا غدر و خیانت ہے۔ بلکہ اس کو فوراً جا کر اپنے بھائی پر ظاہر کر دے تاکہ وہ اس کو دور کر سکے اور جس پر بدگمانی کا اظہار کیا جائے اس کا فرض ہے کہ وہ فوراً اس کی صفائی کر دے تاکہ دل صاف ہو جائے، چپ نہ سادھ لے ورنہ پھر اس گناہ کا بہت کچھ بوجھ اس کی طرف بھی منتقل ہو سکتا ہے۔

۱۱- بہتان

ایک مسلمان اپنے بھائی کو جان بوجھ کر مجرم ٹھہرائے یا اس کی طرف کوئی ناکردہ گناہ منسوب کرے تو یہ بہتان ہے اور یہ صاف صاف ایک قسم کا جھوٹ اور خیانت ہے۔ بہتان کی ایک اور بدتر شکل یہ ہے کہ آدمی اپنا گناہ کسی دوسرے کے سر ڈال دے۔ اس کے بارے میں قرآن نے یہ کہا ہے کہ:

وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا (نساء:۱۱۲)

جو کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی گناہ پر دھرے اس نے نقصان اور کھلا گناہ اپنے سر باندھا۔

اسی طرح مسلمانوں کو بن کیے جھوٹا الزام رکھنے پر یہ کہا گیا ہے:

وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (الاحزاب:۵۸)

اور جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بن کیے تہمت لگا کر تکلیف پہنچاتے ہیں

انھوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لادا۔

ایک محبت بھرے تعلق میں اس کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے۔

۱۲- ضرر رسانی

ضرر یا نقصان کا لفظ بھی بڑا وسیع ہے لیکن اس کے معنیٰ دراصل یہ ہیں کہ مسلمان اس چیز کو ملحوظ رکھے کہ اس کے بھائی کو اس کی ذات سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ یہ ضرر جسمانی بھی ہوسکتا ہے اور قلبی بھی۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے انتہائی سخت انداز میں فرمایا ہے:

مَلْعُوْنٌ مَّنْ ضَارَّ اَوْيَمْكُرُبِهٖ (ترمذی بروایت ابی بکر الصدیق، مشکوٰۃ ص:۴۲۸)

ملعون ہے وہ شخص جو کسی مومن کو ضرر پہنچائے یا کسی کے ساتھ مکر کرے۔

اسی طرح آپ نے یہ فرمایا کہ:

مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰه عليه

(ابن ماجہ وترمذی)

جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچائے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرر پہنچائے گا اور جو کسی مسلمان کو تکلیف میں مبتلا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے تکلیف میں مبتلا کرے گا۔

۱۳- دل آزاری

کوئی مسلمان اپنے بھائی کے دل کو تکلیف پہنچائے، یہ ایک ایسی چیز ہے جسے اس کے دل کو ہرگز گوارا نہ کرنا چاہیے۔ ایک بھائی کے دل کو دوسرے بھائی سے کئی چیزوں کی بناء پر تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ ان تمام موٹی موٹی باتوں کے علاوہ جن کا تفصیلی ذکر آچکا ہے، زندگی کے معاملات کی جزئیات میں افتادِ طبع اور مزاج بھی دلی تکلیف کا سبب بن سکتا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ ہر مسلمان کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اس سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو اس کے بھائی کے دل کو ایذا پہنچائے یا جس سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔

غیبت جیسے جرم عظیم کی بنیاد بھی یہی ہے۔ چنانچہ غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں اس طرح ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے یا جس سے اس کو تکلیف پہنچے۔

اسی طرح رسول اللہؐ نے نصیحت کی کہ جب تین آدمی ہوں تو دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کریں یہاں تک کہ بہت سے آدمیوں میں مل جائیں۔ تب ایسا کر سکتے ہیں اور اس حکم کی جو وجہ بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ:

مِنْ اَجَلِ اَنْ يَّحْزُنَهٗ۔ (مسلم عن عبداللہ بن مسعود مشکوٰۃ ۴۲۲)

اس خوف سے کہ کہیں وہ غمگین نہ ہو۔

اگر ان آداب کی فہرست پر ایک نگاہ ڈالی جائے جو اسلام نے دیے ہیں تو یہ معلوم ہوگا کہ کسی مسلمان بھائی کے دل کو تکلیف نہ پہنچے، ایک بنیادی اصول کے طور پر کارفرما ہے مسلمان کو ایذا دینا دینی نقطۂ نظر سے اتنا برا فعل ہے کہ رسول اللہؐ نے اس سلسلے میں فرمایا:

مَنْ اٰذَى النَّاسَ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ (طبرانی عن انس بن مالک ترجمان السنہ ۱۷۲)

جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔

اور اس کے برعکس کسی کے دل کو خوش کرنے کی خاطر کوئی کام کرے تو اس کے بارے میں یہ فرمایا:

مَنْ قَضٰى لِاَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِىْ حَاجَةً يُّرِيْدُ اَنْ يَّسُرُّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِىْ وَمَنْ سَرَّنِىْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَمَنْ سَرَّا اللّٰهَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔

(بیہقی عن انس، مشکوٰۃ ص:۴۲۵)

جو میری امت میں سے کسی کی حاجت پوری کرے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ اسے خوش کرے تو اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اللہ نے اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

اور یہاں پر رسول اللہؐ کی یہ بات بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ مومن تو وہ ہے جو سراسر محبت ہو۔ جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ کوئی اس سے الفت رکھے تو اس میں بھلائی کی بو بھی نہیں۔ دل آزادی کی ایک معمولی صورت، ہنسی مذاق میں پریشان کرنے کی ہوتی ہے۔ یعنی ایسا مذاق جس سے واقعی دوسرا پریشان ہو جائے اور اس کے دل کو تکلیف ہو۔

ایک دفعہ آپؐ کے صحابہؓ آپؐ کے ساتھ شب میں سفر کر رہے تھے۔ جب ایک مقام پر

قافلہ ٹھیرا تو اُن میں سے ایک شخص اٹھا اور دوسرے شخص کی رسی جو وہ اپنے ساتھ لے کر سورہا تھا اٹھالی اور اس طرح اسے پریشان کیا۔ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّرُوْعَ مُسْلِمًا۔

(عن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ۔ ابی داؤد، ترجمان السنہ ص: ۲۶۵)

مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں پریشان کرے۔

اسی طرح ایک دفعہ ہتھیار چھپانے کا واقعہ ہوا تو آپؐ نے منع فرمایا:

اَنْ یَرُوعَ الْمُؤْمِنَ اَوْ اَنْ یُّؤْخَذُ مَتَاعُہٗ لَا لَعِبًا وَّلَا جِدًّا۔

(ابن عساکر عن الواقدی۔ ترجمان السنہ ۲۶۵)

کسی مومن کو ڈرایا جائے ہنسی میں یا واقعی طور پر کسی کا کوئی سامان لے لیا جائے۔

۱۴- فریب دہی

مسلمانوں کو اس بات سے بھی منع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو گفتگو یا معاملات میں فریب دیں۔ غلط بیانی سے کام لیں یا اسے کسی غلط بات کے پیچھے ڈال دیں۔ ایک ایسے تعلق میں جہاں ایک فریق دوسرے فریق کے ساتھ اس قسم کی حرکت کرسکتا ہے کبھی بھی ایک شخص دوسرے کا اعتبار نہیں کرسکتا اور جہاں ایک آدمی کے لیے دوسرے کی بات بھی قابل اعتبار نہ ہو وہاں لطف و محبت اور اعتماد کسی طرح بھی موجود نہیں ہوسکتا۔ احادیث میں اس چیز کو بدترین خیانت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

۱۵- حسد

حسد وہ ذلیل بیماری ہے جو اگر انسان کے دل میں راہ پالے تو پھر نہ صرف یہ کہ وہ قلبی تعلق کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے بلکہ آدمی کا ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ حسد کی تعریف یہ ہے کہ انسان دوسرے انسان پر اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت مثلاً مال و دولت یا علم و فضل یا حسن و کمال کو پسند نہ کرے اور یہ خواہش کرے کہ اس سے یہ نعمتیں چھین لی جائیں۔ حسد میں اپنے لیے نعمت کی خواہش پر دوسرے سے چھن جانے کی خواہش غالب رہتی ہے۔

حسد کا سبب کبھی تو بغض و عناد ہوتا ہے، کبھی ذاتی فخر اور دوسرے کی کمتری کا احساس، کبھی دوسروں کو مطیع بنانے کا جذبہ اور کبھی کسی مشترکہ مقصد میں اپنی ناکامیابی اور دوسروں کی کامیابی اور کبھی صرف جاہ طلبی اس کا سبب بنتی ہے۔ حسد کے بارے میں نبیؐ کریم نے اس طرح تنبیہہ کی ہے۔

اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (ابوداوٗد)

تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

اور یہ وہ چیز ہے جس سے قرآن نے ہر مسلمان کو پناہ مانگنے کی ہدایت کی ہے۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

ایک بڑی اہم ہدایت میں جس میں آپ نے ان چیزوں کو بتایا ہے جن کا ترک کرنا بھائی بھائی بننے کے لیے ضروری ہے اور جس کا ایک ٹکڑا بدظنی کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

(اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ ...) آپؐ نے مزید جو فرمایا وہ یہ تھا۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا۔

(عن ابی ہریرۃ، بخاری ومسلم، مشکوٰۃ ص:۴۲۷)

کسی کے عیوب کی ٹوہ نہ لگاؤ، کسی کا تجسس نہ کرو، کسی کے تجارتی معاملہ کو نہ بگاڑو، آپس میں حسد نہ کرو۔ آپس میں بغض نہ رکھو آپس میں ایک دوسرے سے بے تعلق نہ رہو۔ آپس میں حرص نہ کرو اور خدا کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو۔

مشہور شارح حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح یہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم لوگ ان منہیات کو چھوڑ دو گے تو بھائی بھائی ہو جاؤ گے پھر آپؐ نے اس حسد و بغض کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

دَبَّ اِلَیْکُمْ دَآءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمُ الْحَسَدُ وَالْبُغْضَآءُ مِنَ

الْحَالِقَةِ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔

(احمد وترمذی، مشکوٰۃ ۴۲۸)

پہلی امتوں کی بیماریاں تمھارے اندر سرایت کرگئی ہیں اور وہ بیماریاں حسد اور بغض ہیں جو مونڈ دینے والی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈ دیتی ہیں بلکہ دین کا صفایا کر دیتی ہیں۔

ان چیزوں کو روکنے کے ساتھ ساتھ جو تعلقات میں خرابی وفساد کا سبب بنتی ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم کو وہ چیزیں بھی متعین کر کے بتا دی ہیں جن کا اختیار کرنا تعلقات کے استحکام کا باعث ہوتا ہے۔ الفت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے اور جس کے نتیجہ میں ایک دل دوسرے دل سے اس طرح قریب آتا چلا جاتا ہے جیسے ایک ہاتھ کی دو انگلیاں۔ ان میں کچھ چیزیں ہیں جن کو ضروری قرار دیا گیا ہے یا یوں کہیے کہ وہ بطور حقوق پیش کی گئی ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے لیے ترغیب دی گئی ہے اور وہ فضائل کے درجہ میں آتی ہیں۔ مزید سیرت کی جن بنیادی صفات کی بنیاد پر قرآن اور حدیث سے ہم کو جو ہدایات ملتی ہیں جن میں سے ہر ایک کی روح تو ان ہی صفات کی ہے، ان کو علیحدہ سے سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ لطف ومحبت کی فضاء کو پروان چڑھانے کے لیے ان میں سے ہر چیز اہم ہے۔

۱- عزّت وآبرو کا تحفظ

ایک انسان کے نزدیک سب سے قیمتی چیز اس کی عزت وآبرو ہوتی ہے اور اگر اس عزت کو برباد کیا جائے تو اسے وہ کسی صورت میں گوارا نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ایک طرف جہاں مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ وہ کسی طریقے سے بھی اپنے بھائی کی عزت پر حملہ کرنے کا باعث نہ ہوں۔ وہاں اس بات کی خاص تاکید کی گئی ہے اور اسے ایک حق بتایا ہے کہ مسلمان اپنے بھائی کی عزت کا تحفظ کرے، کہیں اسے برا بھلا کہا جارہا ہو، کہیں اس پر تہمت دھری جارہی ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس کا اسی طرح مقابلہ کرے جس طرح وہ عزت پر حملہ کا مقابلہ کرتا ہے اور اس پر اسے اتنی ہی تکلیف ہو جتنی اپنی عزت خراب ہونے پر ہوتی ہے۔ اگر ایک مسلمان کو اس بات کا یقین ہو کہ اس کی عزت اُس کے مسلمان بھائی کے ہاتھوں محفوظ ہے تو اس کو

اپنے بھائی سے ایک قلبی لگاؤ پیدا ہو گا لیکن اگر اس بات کا بھی یقین ہو کہ وہ اس کے سامنے اور اس کی پیٹھ کے پیچھے اس کی عزت کا اسی طرح محافظ ہے جس طرح وہ خود ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے دل میں کتنی گہری جگہ پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے نبی کریمؐ نے بے شمار احادیث میں اس امر کی ہدایت کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

مَا مِنْ اِمْرَءٍ مُّسْلِمٍ یَخْذُ لَہٗ اِمْرَأٌ مُسْلِمٌ فِیْ مَوْ ضَعٍ یُنْتَھَکُ فِیْہِ حُرْمَتُہٗ وَیُنْقَصُ فِیْہِ مِنْ عَرْضِہٖ اِلَّا نَصَرَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَوطِنٍ یُحِبُّ فِیْہِ نُصْرَتَہٗ وَمَا مِنْ اِمْرَءٍ مُّسْلِمٍ یَّنْصُرُ مُسْلِمًا فِیْ مَوْضَعٍ یُّنْتَقَصُ مِنْ عِرْضِہٖ وَیُنْتَھَکُ فِیْہِ مِنْ حُرْمَتِہٖ اِلَّا نَصَرَہُ اللّٰہُ فِیْ مَوْطِنٍ یُّحِبُّ فِیْہِ نُصْرَتَہٗ۔ (ابی داوٗد، عن ابی جابر، مشکوٰۃ ۴۲۴۵)

جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد و اعانت سے ایسے موقع پر بیٹھ جاتا ہے جہاں اس کی عزت کی دھجیاں اُڑائی جارہی ہوں اور اس کی آبروریزی کی جارہی ہو تو اللہ بھی اس نازک مرحلہ پر اس کی نصرت تنگ کر دیتا ہے جہاں وہ یہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی نصرت و حمایت کے لیے کھڑا ہو اور جو مسلمان کسی مسلمان کی اعانت کے لیے ایسے موقع پر کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اس کی آبروریزی کی جارہی ہو یا اس کی عزت خراب کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی نصرت وحمایت کرتا ہے جہاں وہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی مدد کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ وہ آگ سے بچائے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْہِ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یَرُدَّ عَنْہُ نَارَ جَھَنَّمَ ثَمَّ قَرَأَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃ وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (شرح السنہ عن ابی الدرداءؓ، مشکوٰۃ ۴۲۴)

جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی آبروریزی سے کسی کو روکے تو اللہ پر اس کا حق ہے کہ

وہ جہنم کی آگ اس سے روک لے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی کہ:

''مسلمانوں کی مدد ہمارے اوپر ایک حق ہے۔''

آبروریزی کی ایک بہت عام شکل غیبت ہے جس کی تعریف گزر چکی ہے۔ اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ:

مَنْ اُغْتِيْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَّمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

(شرح السنہ عن انس۔ مشکوٰۃ: ۴۲۳)

جس شخص کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ اس کی مدد کرنے پر قادر ہو اور پھر اس کی مدد کرے تو اللہ دنیا و آخرت میں اس کی مدد کرے گا اور مدد پر قادر ہونے کے باوجود اس کی مدد نہ کرے تو اللہ دنیا و آخرت میں اسے پکڑ لے گا۔

اپنے بھائی کو دوسروں کے شر سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں آپؐ نے فرمایا کہ:

مَنْ حَمِىَ مُؤْمِنًا مِّنْ مُّنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰه مَلَكًا يَحْمِىْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ۔ (ابوداؤد عن معاذ بن انس مشکوٰۃ ۴۲۴)

جس نے کسی مومن کو منافق (کے شر) سے بچایا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اس کے گوشت کو قیامت کے دن جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔

ایک مسلمان پر اپنے بھائی کی مدد کے سلسلے میں بے شمار حقوق عائد ہوتے ہیں۔ مثلاً: مالی مدد، مشکلات کو دور کرنا، مسائل کو حل کرنے کی کوشش اور دوسری سینکڑوں قسم کی دینی دنیوی حاجتوں کو پورا کرنا۔ یہ تمام چیزیں قانون کے دائرے سے باہر احسان کے دائرہ سے تعلق رکھتی ہیں، جو اگرچہ ضروری ہیں اور جن کے بارے میں آخرت میں جواب دہی ہوگی۔ لیکن ان کے بارے میں قانون سازی ممکن نہیں۔ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا پیٹ بھر سکتا ہے یا اس کے ننگے بدن کو ڈھانپ سکتا ہو یا اس کی مشکل و مصیبت کو دور کرنے میں مدد کر سکتا ہے جس میں وہ گرفتار ہو یا اس کی حاجت روائی کر سکتا ہو یا وہ اس کی مالی و معاشی الجھن دور کر سکتا ہو تو یہ اس کے

بھائی کا اس پر حق ہے کہ وہ ایسا کرے ورنہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان میں سے ایک ایک چیز کو اپنا حق بتاتے ہوئے جواب طلب کرے گا کہ تم نے یہ حق کیوں نہ ادا کیا۔ زبان رسالت نے انتہائی موثر انداز میں یہ بتایا کہ خدا کہے گا کہ اے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھ کو کھانا کیوں نہ کھلایا؟ میں ننگا تھا تو نے مجھے کپڑا کیوں نہ دیا؟ میں مریض تھا تو نے میری عیادت کیوں نہ کی؟'' اور بندہ کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ اللہ کے کسی بندے اور اپنے کسی مسلمان کی مدد یا حاجت روائی اتنی بڑی نیکی ہے کہ کم نیکیاں اتنے بڑے درجہ کو پہنچ سکتی ہیں۔ اس کی اصل اسپرٹ یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا طریقہ ہو جس سے ایک مسلمان اپنے بھائی کو آرام پہنچا سکتا ہو یا اس کے دل کو خوش کر سکتا ہو، اس میں دریغ نہ کرے۔

جب تک ایک آدمی اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے تو وہ اللہ کی مدد کا مستحق رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ عَبْدِهٖ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ۔

(مسلم، ترمذی، عن ابی ہریرہ جواہر رسالت ص: ۴۲)

اللہ اپنے بندہ کی مدد میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

اسی حدیث میں کچھ پہلے نبی کریمؐ اعانت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ہر ایک کا اجر اس طرح سناتے ہیں:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُّؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَّسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَّسَّرا اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (مسلم عن ابی ہریرہ، جواہر رسالت ص: ۳۲)

جس نے کسی مومن کی کوئی مشکل دنیاوی مشکلات میں سے دور کر دی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مشکلات میں سے اس کی ایک مشکل دور کر دے گا۔ جس نے کسی تنگ آدمی کو سہولت بخشی اللہ اس کو دنیا و آخرت میں سہولت بخشے گا۔ اور جس نے کسی

مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

اس سلسلہ میں کچھ باتیں آپؐ نے ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان کیں:

اَلْمُسْلِمُ اَخُوا لْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یُسْلِمُهٗ وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ کَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِّنْ کُرْبَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔

(بخاری و مسلم عن ابن عمر، مشکوٰۃ: ۴۲۲)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو وہ اس پر ظلم کرے نہ اپنی اعانت سے دست کشی کر کے اس کو ہلاکت کے حوالے کر دے۔ جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا اور جو کسی مسلمان کا غم یا مصیبت دور کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی روز قیامت کی مشکلات میں سے کوئی مشکل دور کر دے گا۔

اعانت اور حسنِ سلوک کا ایک بہت بڑا حصہ مال میں عائد ہوتا ہے۔ ہر محروم آدمی اس کا مستحق ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے حصہ دیا ہے وہ اس کی مدد کرے۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۔ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔

آں حضرتؐ نے اس کو انتہائی بلیغانہ انداز میں یوں پیش فرمایا ہے کہ:

اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِهٖ

(بیہقی عن عبداللہ، مشکوٰۃ ۴۲۵)

مخلوق خدا کا کنبہ ہیں۔ بس خدا کے نزدیک اس کی مخلوق میں سے محبوب ترین وہ ہے جو اس کے کنبہ سے حسنِ سلوک کرے۔

بھوکوں کو کھانا کھلانے کی قرآن نے انتہائی تاکید کی ہے۔ ابتدائی مکی سورتیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ رسول اللہؐ نے مدینے آ کر مسلمانوں کو سب سے پہلے خطبہ میں جن چار امور کی ہدایت کی اور یہ کہا کہ اس کے بعد تم جنت میں داخل ہو سکتے ہو۔ ان میں سے ایک یہ تھی:

وَاَطْعِمُوا لطَّعَامَ۔ ''اور کھانا کھلاؤ۔'' نیز یہ فرمایا کہ:

لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِهٖ۔

(بیہقی عن ابن عباس، مشکوٰۃ ص: ۴۲۴)

وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا ہمسایہ اس کے پہلو میں بھوکا ہو۔

ایک شخص نے آپؐ سے اپنی سنگ دلی کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ:

قَالَ اِمۡسَحۡ راسَ الۡیَتِیۡمِ وَاَطۡعِمِ الۡمِسۡکِیۡنَ۔

(روایت احمد عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ۴۲۵)

یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر اور مسکین کو کھانا کھلا۔

فریادی کی دادرسی بھی اسی اعانت کا ایک شعبہ ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

مَنۡ اَغَاثَ مَلۡھُوۡ قًا کَتَبَ اللّٰہُ ثَلٰثًا وَسَبۡعِیۡنَ مَغۡفِرَۃً وَاحِدَۃٌ مِّنۡھَا صَلَاحُ اَمۡرَہٗ کُلِّہٖ وَاِثۡنَتَانِ وَسَبۡعُوۡنَ لَہٗ دَرَجَاتٌ یَّوۡمَ الۡقِیَامَۃِ۔ (بیہقی عن انس۔ مشکوٰۃ ۴۲۵)

جس نے کسی فریادی کی دادرسی کی تو اللہ اُس کے لیے تہتر بخششیں لکھ دیتا ہے، اُن میں سے ایک بخشش اس کے تمام کاموں کی اصلاح کی ضامن ہے بہتر بخششیں قیامت کے دن اس کے درجات بلند کرنے کا سبب بنیں گی۔

کسی حاجت مند کی سفارش کر دینا یا اس کی شفاعت کرنا بھی اعانت کی ایک صورت ہے جو اگر اس کی بھلائی کے لیے ہو، تو خدا نے قرآن میں اس کی تعریف کی ہے۔

مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ نَصِیۡبٌ مِّنۡھَا (النسآء:۸۵)

جو نیک بات کی سفارش کرے گا اس کے ثواب میں اس کا حصہ بھی ہوگا۔

رسول اللہؐ خود اپنے اصحاب کو جب کوئی سائل یا حاجت مند آتا تو نصیحت کرتے۔

قَالَ اشۡفَعُوۡا فَلۡتُؤۡجَرُوۡا۔ کہ اس کی سفارش کرو اور ثواب میں حصہ لو۔

اعانت کے مختلف مراحل اور صورتوں کو آپؐ نے ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ غفاری سے گفتگو کرتے ہوئے واضح کیا۔ انھوں نے پوچھا۔ ایمان کے ساتھ عمل بتائیے، فرمایا، ''جو روزی خدا نے دی اس سے دوسروں کو دے۔''

عرض کیا۔ ''اے خدا کے رسولؐ! اگر وہ خود مفلس ہو؟'' فرمایا'' اپنی زبان سے نیک کام کرے۔'' عرض کی۔ ''اگر اس کی زبان معذور ہو؟'' فرمایا'' کمزور کی مدد کرے۔'' عرض کی'' اگر وہ ضعیف ہو، مدد کی قوت نہ ہو۔'' فرمایا۔ ''جس کو کوئی کام کرنا نہ آتا ہو اس کا کام کردے'' عرض کی'' اگر وہ خود ہی ایسا ناکارہ ہو۔'' فرمایا'' اپنی ایذا رسانی سے لوگوں کو بچائے رکھے۔''

(سیرت النبی (۶) ص:۲۸۸)

اور پھر وہ حدیث بھی دہرا لینے کی ضرورت ہے۔

''جو شخص میری امت میں سے کسی کو دینی و دنیوی حاجت پوری کرے اور اس سے اس کا مقصد صرف اس کو خوش کرنا ہو تو اس نے مجھ کو خوش کیا اور جس نے مجھ کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا تو اللہ اس کو جنت میں داخل کردے گا۔

اس سلسلہ میں ایک بڑی اچھی روایت اصبہانی کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ کے پاس ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ لوگوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب کون ہے؟ آپؐ نے جواب دیا۔

اَحَبُّ النَّاسُ اِلَی اللّٰہِ اَنۡفَعُھُمۡ لِلنَّاسِ وَاَحَبُّ الۡاَعۡمَالِ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَ جَلَّ سُرُوۡرٌ تُدۡخِلُہٗ عَلٰی مُسۡلِمٍ فَتُکۡشِفُ عَنۡہُ کُرۡبَۃً اَوۡ تَقۡضِیۡ عَنۡہُ دَیۡنًا اَوۡتَطۡرُدُ عَنۡہُ جُوۡعًا وَ لَاَنۡ اَمۡشِیۡ مَعَ اَخٍ فِیۡ حَاجَۃٍ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنۡ اَنۡ اَعۡتَکِفَ فِیۡ ھٰذَالۡمَسۡجِدِ شَھۡرًا وَمَنۡ کَفَّ غَضَبَہٗ سَتَرَ اللّٰہُ عَوۡرَتَہٗ وَمَنۡ کَظَمَ غَیۡظَہٗ وَلَوۡشَاءَ اَنۡ یُّھۡضِیَہٗ اَمۡضَاہُ مَلَاءَ ہُ اللّٰہُ قَلۡبَہٗ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ رِضًا وَمَنۡ مَشٰی مَعَ اَخِیۡہِ فِیۡ حَاجَۃٍ حَتّٰی یَقۡضِیَھَا لَہٗ ثَبَّتَ اللّٰہُ قَدَمَیۡہِ یَوۡمَ تَزِلُّ الۡاَقۡدَامِ۔

لوگوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب وہ ہے جو انسانوں کو زیادہ نفع پہنچانے والا ہو اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ تو کسی مسلمان کو خوش کردے اس طرح کہ اس کی مصیبت و مشکل دور کرے یا اس پر سے بھوک کو ہٹا دے

اور یہ امر کہ میں کسی بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کرنے کی خاطر چلوں، مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس مسجد (نبویؐ) میں ایک مہینہ اعتکاف کروں اور جس نے اپنے غصہ کو پی لیا اگر وہ چاہتا تو اس کو پورا کر لیتا تو اس کے دل کو اللہ قیامت کے روز اپنی رضا سے بھر دے گا اور جو اپنے بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کرنے کی خاطر چلا یہاں تک کہ وہ پوری کر دی تو اللہ اس کے قدموں کو اس دن ثبات بخشے گا جب قدم لڑکھڑا رہے ہوں گے (یعنی قیامت کے دن)۔

۲- دکھ درد میں شرکت

اپنے بھائی کی اعانت اور حاجت روائی اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک کا دکھ درد دوسرے کا دکھ درد ہو۔ ایک شخص اگر دوسرے کی تکلیف محسوس کرے تو دوسرا بھی اس کو اتنی ہی شدت سے محسوس کرے اور جس طرح جسم کا ایک عضو دوسرے تمام اعضاء کی تکلیف میں شریک رہتا ہے اسی طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی تکالیف میں شریک رہے۔

رسول اللہؐ نے کئی مثالوں سے اس امر کو واضح کیا۔ مثلاً ایک دفعہ آپؐ نے یہ فرمایا کہ:

تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَآدِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عَضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى۔ (بخاری و مسلم عن نعمان بن بشیر، مشکوٰۃ: ۴۲۲)

تم مومنوں کو باہم رحم دلی، باہم الفت و لگاؤ اور باہم تکلیف کے احساس میں ایسا پاؤ گے جیسے ایک جسم۔ اگر ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم اس کے بخار اور شب بیداری کے ذریعہ شرکت کرتا ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں آپؐ نے اس کی مزید تشریح یوں کی کہ ایک مومن معاشرہ میں ایسا ہوتا ہے جیسے جسم میں سر، جس طرح درد سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن تمام مومنوں کی تکلیف سے خود تکلیف والم میں مبتلا ہو جاتا ہے مثبت طور پر آپ نے اس کی مثال اس طرح پیش کی:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِهٖ۔ (بخاری و مسلم عن ابی موسیٰ، مشکوٰۃ ص: ۴۲۲)

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہونا چاہیے اور ایک دوسرے کے لیے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہیے جیسے مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لیے، اس کے بعد آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔

۳- احتساب و نصیحت

ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کے اعمال و افعال پر نگاہ رکھے اور جہاں اسے سیدھی راہ سے ہٹتے دیکھے وہاں اس کو نصیحت کر کے سیدھا کرنے کی کوشش کرے یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ اگرچہ اس حق کی ادائیگی ایک ایسی چیز ہے جو اکثر و بیشتر ناگوار گزرتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر ایک فرد کے دل میں اس بات کا پورا احساس ہو کہ اصلی کامیابی آخرت کی کامیابی ہے، اور تعلق کی اساس یہ ہے کہ دو بھائی ایک دوسرے کو یہ کامیابی حاصل کرنے میں مدد دیں۔ کیونکہ دنیا میں احتساب آخرت کے احتساب سے بہتر ہے تو وہ اپنے دل میں یقیناً اپنے بھائی کا شکر گزار ہوگا کہ اس نے دنیا ہی میں اس کی اصلاح کا موقع دیا اور پھر اگر تنقید و احتساب کرنے والا ان تمام شرائط کو ملحوظ رکھے جو ضروری ہیں اور خاص طور پر اگر یہ کام دل سوزی، محبت اور خلوص سے ہو تو یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ شکر گزاری آگے بڑھ کر محبت میں اضافہ اور الفت و لگاؤ میں زیادتی کا باعث ہوگی۔ اس لیے کہ پھر تنقید کرنے والے کے بارے میں ایک محسنِ اعظم کا تصور پیدا ہوگا۔ تنقید کی ساری شرائط کو نبی کریمؐ نے اپنی اس حدیث میں ایک مثال سے واضح کر دیا ہے جس میں آپ نے اس کی نصیحت کی ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اَحَدَکُمْ مِرْاَٰۃُ اَخِیْهِ فَاِنْ رَاٰی بِهٖ اَذًی فَلْیُمِطْ عَنْهُ۔

(ترمذی عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ص: ۴۲۴)

تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی خرابی دیکھے تو

اُسے دور کردے۔

اور ابوداوٗد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْأَةُ الْمُؤمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اخُوا الْمُؤْمِنَ يَكُفُّ ضَيْعَتَهُ وَيَحْفَظُهُ مِنْ وَّرَائِهٖ۔ (ابی داوٗد، مشکوٰۃ ۴۲۴)

ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے اور ایک مومن دوسرے کا بھائی ہے اور اس کے حق کو اس کی عدم موجودگی میں بھی محفوظ رکھتا ہے۔

اس کی مثال کی روشنی میں احتساب و نصیحت کے مندرجہ ذیل اصول وضع کیے جاسکتے ہیں۔

۱- برائیوں کا تجسس نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ آئینہ کبھی تجسس نہیں کرتا۔ وہ اس وقت ظاہر کرتا ہے جب آپ اس کے سامنے جا کھڑے ہوں۔

۲- پیٹھ کے پیچھے تنقید نہ ہو اس لیے کہ آئینہ کسی کی شکل اس وقت تک ظاہر نہیں کرتا جب تک وہ روبرو نہ ہو۔

۳- تنقید میں کوئی اضافہ نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ آئینہ بلاکم و کاست اور بلا مبالغہ نقوش واضح کردیتا ہے۔

۴- تنقید بے لاگ ہونی چاہیے اور کسی بدنیتی اور غرض سے پاک، اس لیے کہ آئینہ جس کا نقش کرتا ہے اس سے کوئی کینہ نہیں رکھتا۔

۵- بات کہہ دینے کے بعد اسے پالنا نہیں چاہیے۔ اس لیے کہ سامنے سے ہٹ جانے کے بعد آئینہ شکل کو محفوظ نہیں رکھتا۔ یا دوسرے الفاظ میں پردہ دری نہ ہونا چاہیے۔

۶- اور پھر سب سے اہم بات یہ کہ اس میں انتہائی سوز، دکھ، درد، خلوص اور محبت کارفرما ہے جس کا احساس ہی اس ناگواری کے ہلکے سے احساس کو فنا کردے جو ہر شخص میں فطری طور پر اپنے اوپر تنقید سن کر ابھرنے لگتا ہے۔ اسی لیے مراۃ المسلم کے ساتھ ”اخوالمسلم“ بھی کہا گیا۔ یہ دل سوزی اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب ایک طرف یہ احساس ہو کہ میرے بھائی کی یہ خرابی اس کی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے اور دوسری طرف اپنے کو اپنے بھائی سے بڑا نہ سمجھے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس سے کمزور اور اس سے زیادہ خطاکار اور گناہ گار سمجھے۔

۴- ملاقات

محبت کے بالکل اولین اور بنیادی تقاضوں میں سے یہ ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ ملے، اس کی صحبت اختیار کرے اور اس سے گفتگو کرے اور اس کے پاس بیٹھے۔ انسانی نفسیات کا ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ یہ محبت کا بنیادی تقاضا ہے بلکہ محبت کو بڑھانے کے لیے اور دلوں کو آپس میں زیادہ سے زیادہ جوڑنے کے لیے یہ مؤثر ترین چیزوں میں سے ایک ہے۔ محبت تقاضا کرتی ہے کہ آدمی ہر ممکن موقع پا کر اپنے بھائی سے مل لے اور ہر ملاقات محبت میں مزید اضافہ کا سبب بنتی ہے اور اس طرح یہ ایک لامتناہی سلسلہ بن جاتا ہے۔ ملاقات میں اگر شریعت کے ان اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے جن پر ہم پہلے گفتگو کر آئے ہیں اور جن کو پھر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ آدمی اپنے بھائی کی دل آزاری اور ایذارسانی کو کسی طرح نہ برداشت کرے، اور اگر ان چیزوں کو بھی ملحوظ رکھا جائے جو بعد میں آنے والی ہیں تو ممکن نہیں کہ دو مسلمانوں کی ملاقات تعلق میں اضافہ کا سبب نہ بنے اور وہ دو بھائیوں کے دلوں کو قریب نہ لے آئے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی محبت کے باب میں اس کو خاص اہمیت دی ہے۔ اس کی ہدایت کی ہے اور اس کے بے شمار فضائل بتائے ہیں۔ ایک حدیث میں آپ فرماتے ہیں کہ:

صالح ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے۔ (بیہقی عن ابی ذر، مشکوٰۃ)

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت ابوذرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

هَلْ شَعَرْتَ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ زَائِرًا اَخَاهُ شَيَّعَهٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ كُلُّهُمْ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّهٗ وَصَلَ فِيْكَ فَصِلْهُ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَعْمَلَ جَسَدَكَ فِيْ ذَالِكَ فَافْعَلْ۔ (بیہقی عن ابی ذر مشکوٰۃ: ۴۲۷)

تمھیں معلوم ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کو دیکھنے اور ملاقات کی غرض سے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے پیچھے ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں، وہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے! یہ صرف تیرے لیے جڑا تو اُسے جوڑ دے۔ اگر

تجھ سے ممکن ہو کہ تو اپنے جسم سے یہ (ملاقات کا) کام لے تو ضرور ایسا کر۔

ایک حدیث میں رسول اللہ نے بڑے اچھے پیرایہ میں اس ملاقات پر روشنی ڈالی۔ فرمایا کہ:

قَالَ اِنَّ رَجُلًا زَارَ اَخَالَهٗ فِیْ قَرْيَةٍ اُخْرىٰ فَاَرْ صَدَا اللّٰهُ لَهٗ عَلٰى مدرجتهٖ مَلَكًا قَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ اَنَا اُرِيْدُ اَخًا لِیْ فِیْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَّكَ عَلَيْهِ مِنْ نِّعْمَةٍ ترُبّهَا قَالَ لَا غَيْرَ اَنِّیْ اَحْبَبْتُهٗ فِی اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِيْهِ۔ (مسلم عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ۴۲۵)

ایک شخص اپنے بھائی سے جو کسی دوسرے گاؤں میں تھا ملاقات کو چلا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے پر ایک فرشتہ کو بٹھایا۔ فرشتہ نے اس سے پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟" اس نے جواب دیا "اس گاؤں میں میں اپنے بھائی سے ملاقات کو جاتا ہوں" فرشتہ نے کہا کیا تیرا اس پر کوئی حق نعمت ہے جو وصول کرنے جاتا ہے۔" اس نے کہا نہیں سوائے اس کے کوئی وجہ نہیں کہ میں اس سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ فرشتہ نے کہا "مجھے اللہ نے تیری طرف بھیجا ہے اور یہ (بشارت دی ہے کہ وہ تجھ سے ایسی ہی محبت رکھتا ہے جیسی تو اس کی خاطر اپنے دوست سے رکھتا ہے۔")

ایک صاحب نے حضرت معاذ بن جبلؓ پر اپنی محبت کا اظہار کیا اور کہا آپ سے للہ محبت کرتا ہوں۔ انھوں نے ان کو رسول اللہؐ کی بشارت سنائی کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہوگی جو میرے لیے باہم ساتھ بیٹھتے ہیں، میرے لیے ایک دوسرے سے ملنے جاتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں۔

اور اللہ کے لیے باہمی محبت و ملاقات کا جو اجر آخرت میں ہے اس کی خبر نبیؐ کریم نے یوں دی ہے:

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ لَعُمُدًا مِّنْ يَّاقُوْتَ عَلَيْهَا غُرَفٌ مِّنْ زَبَرْجَدٍ لَهَا اَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ تُضِیْءُ كَمَا يُضِیْءُ الْكَوْكَبُ الدُّرِّيُّ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ يَّسْكُنُهَا۔ قَالَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰهِ وَالْمُتَجَا

لِسُوْنَ فِی اللّٰهِ وَالْمُتَلَاقُوْنَ فِی اللّٰهِ۔ (بیہقی، مشکوٰۃ ص: ۴۲۷)

جنت میں یاقوت کے ستون ہیں اور ان پر زبرجد کے بالا خانے اور ان کے دروازے ایسے چمک دار ہیں جیسے تارے چمکتے ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! ان میں کون رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جو اللہ کے لیے باہم محبت رکھتے ہیں، ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کی ملاقات کو جاتے ہیں۔

باہمی ملاقات اور محبت کی اتنی تاکید اور اس کے لیے اتنے بڑے اجر کی بشارت صرف اس وجہ سے نہیں کہ یہ محبت کا لازمی تقاضا ہے۔ یا یہ کہ اس سے محبت میں زیادتی و اضافہ ہوتا ہے۔ بلکہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان کو صحیح رائے پر قائم رکھنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کے مخلص دوست اس کو سہارا دیتے ہیں اور یہ چیز ملاقاتوں اور گفتگوؤں سے ہی ممکن ہے۔ پھر یہ کہ انسان ملتا تو لازماً رہتا ہی ہے۔ اگر اس کی ملاقاتیں اس کے پورے اجر و ثواب کی تمنا سے اپنے ان بھائیوں سے ہوں گی جو اس کے ہم مقصد ہیں اور اگر ان ملاقاتوں میں اللہ کو یاد رکھا جائے تو یہ ملاقاتیں ہی اس کی سیرت کی تعمیر اور کردار کے ارتقاء میں بڑا اہم اور نمایاں حصہ ادا کریں گی۔

ان احادیث اور ان دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ایک مومن کو اپنے دوسرے مومن بھائی سے زیادہ ملاقات کی کوشش کرنی چاہیے الاّ یہ کہ طبعی مجبوری ہو۔ اس سے نہ صرف یہ کہ تعلق پروان چڑھے گا بلکہ وہ ستر ہزار فرشتوں کی دعائے مغفرت اور اللہ کی محبت کا حق دار ہو جائے گا اور یہ بھی کہ ملاقات کے وقت ان احادیث و ہدایات کو سامنے رکھنا چاہیے تا کہ اس ملاقات کے فی اللہ ہونے کا شعور ذہن میں پس پشت نہ چلا جائے۔

۵- عیادت

ملاقات کی ایک مخصوص صورت جس کو ایک مسلمان پر اس کے بھائی کا حق قرار دیا گیا ہے، یہ ہے کہ وہ اپنے بیمار بھائی کی عیادت کو جائے۔ ایک بیمار انسان اپنی نفسیاتی و جسمانی کیفیت کی بنا پر دوسروں کی ہمدردی اور خدمت کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اس موقع پر اس کا کوئی بھائی یہ چیزیں اس کو فراہم کر کے دے تو یہ ہمدردی اور خدمت ایک ایسا گہرا اثر دل پر چھوڑتی ہے جو تعلقات کے استحکام میں بہت مفید ہوتا ہے۔

عام طور پر عیادت کے معنی صرف اتنے سمجھے جاتے ہیں کہ بیمار کی مزاج پرسی کی جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیمار پرسی اس کی کم سے کم نوعیت ہے، ورنہ غم خواری، تیمارداری اور خدمت گزاری بھی اس کے تحت آتے ہیں۔ پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عیادت سے مراد صرف مزاج پرسی ہے تو سوچنا چاہیے کہ جب مزاج پرسی کی اتنی تاکید اور اتنا اجر ہے تو غم خواری، تسلی و تشفی اور تیمارداری کا کیا درجہ ہوگا۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے اوپر حقوق کی جو مشہور احادیث ہیں اور جن میں پانچ یا چھ یا سات امور بیان کیے گئے ہیں ان میں سے ہر ایک میں عیادت کے بطور ایک حق کی تاکید کی گئی ہے۔

وَاِذَامَرِضَ فَعُدْهُ۔ جب وہ بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرو۔

اللہ کے رسول نے انتہائی موثر پیرایہ میں بندوں کے حقوق کی تلقین کرتے ہوئے ایک دفعہ اس امر کی وضاحت کی کہ یہ حقوق اصل میں اللہ کی طرف سے عائد ہوتے ہیں اور اللہ قیامت کے دن خود مدعی بن کر ان کے بارے میں جواب طلب کرے گا۔ چنانچہ عیادت کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پوچھے گا "اے آدم کے بیٹے! میں بیمار پڑا تو نے میری عیادت نہ کی؟" وہ کہے گا "اے میرے رب تو سارے جہاں کا رب تھا۔ میں تیری عیادت کیوں کر کرتا۔" فرمائے گا۔ "کیا تجھے خبر نہ ہوئی کہ میرا بندہ بیمار ہوا، مگر تو نے اس کی عیادت نہ کی، اگر کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔" ایک بیمار کی عیادت کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا ترغیب ہوسکتی ہے کہ بندہ اس کے ذریعہ سے اپنے آقا کو پاسکے گا۔

اس عیادت کے ثواب کے بارے میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔ (احمد و ترمذی عن ابی امامہ ص: ۴۰۲)

جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو واپسی تک جنت کے میوے چنتا رہتا ہے۔

مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّعُوْدُ مُسْلِمًا غَدْوَةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ

اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یَمْسِیْ وَاِنْ عَادَہٗ عَشِیَّۃً اِلَّا صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یصبح وَکَانَ لَہٗ خَرِیْفٌ فِی الْجَنَّۃِ۔ (ترمذی وابوداؤد، مشکوٰۃ ۱۳۵)

اور مزید یہ کہ جب مسلمان دوسرے مسلمان کی عیادت صبح کو کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں یہاں تک کہ شام ہو جائے اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔ اس کے لیے جنت میں میووں کے باغات ہیں۔

مَنْ عَادَ مَرِیْضًا لَمْ یَزَلْ یَغُوْصُ الرَّحْمَۃَ حَتّٰی یَجْلِسَ فَاِذَا جَلَسَ اِغْتَمَسَ فِیْھَا۔ (مالک واحمد عن جابر، مشکوٰۃ ص:۱۳۸)

اور پھر یہ کہ جو شخص مریض کی عیادت کو جاتا ہے وہ رحمت کے دریا میں داخل ہو جاتا ہے اور جب مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت میں غرق ہو جاتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

اِتْمَامُ عَیَادَۃَ الْمَرِیْضِ اَنْ یَّضَعَ اَحَدُ کُمْ یَدَہٗ عَلٰی جَبْھَتِہٖ اَوْ عَلٰی یَدِہٖ فَیَسْأَ لُہٗ کَیْفَ ھُوَ۔ (احمد وترمذی عن ابی امامہ: ۴۰۲)

مریض کی عیادت کی تکمیل یہ ہے کہ عیادت کرنے والا اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ یا پیشانی پر رکھ دے اور ان سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے۔

عیادت کے کچھ آداب ہیں۔ اس میں سب سے اہم چیز مریض کی تسلی و تشفی اور دل دہی ہے۔

رسول اللہؐ نے اس کا حکم یوں دیا کہ:

اِذادَخَلْتُمْ عَلٰی مَرِیْضٍ فَنَفِّسُوْا لَہٗ فِیْ اَجَلِہٖ فَاِنَّ ذَالِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئًا وَیَطِیْبُ بِنَفْسِہٖ۔ (ترمذی وابن ماجہ عن ابی سعید، مشکوٰۃ: ۱۲۷)

جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کو تسکین دو اور تسلی دو۔ یہ اگرچہ حکم الٰہی کو تو نہیں روک سکتی۔ لیکن مریض کے دل کو خوش کر دیتی ہے۔

رسول اللہؐ خود جب کسی کی عیادت کو جاتے تو مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے، تسلی دیتے اور فرماتے ''لا باس طهور انشاء الله'' اور پھر اس سے پوچھتے کہ کسی خاص چیز کو اس کا دل چاہتا ہے؟ صحابہؓ سے آپؐ یہی فرماتے کہ جب کوئی کسی کی عیادت کے لیے جائے تو اس کے ہاتھ اور پیشانی پر ہاتھ رکھے اور اس کو تسلی و دلاسا دے اور اس کے شفا پانے کے لیے خدا سے دعا دے۔

(ابوداؤد سیرت النبی ج:۶ ص:۳۰۹)

پھر اس سے بھی منع فرمایا کہ مریض کے پاس زیادہ دیر تک بیٹھا جائے یا شوروغل کیا جائے۔

۶- اظہارِ جذبات

دل میں اگر محبت کے جذبات ہوں تو خود بخود اپنے اظہار کے متقاضی ہوتے ہیں۔ جذبات کے اظہار سے ہمیشہ دو فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو شخص اپنے جذبات کو پھوٹ نکلنے کا موقع دیتا ہے اس کے جذبات میں ہمیشہ تازگی رہتی ہے، حرارت رہتی ہے اور ان میں ارتقاء ہوتا رہتا ہے اور اگر جذبات کو سینہ میں مدفون کر کے رکھ دیا جائے تو گھٹ گھٹ کر ان پر مردنی چھا جاتی ہے، ارتقاء رُک جاتا ہے۔ شگفتگی اور تازگی سے محروم ہو جاتا ہے اور اس طرح آہستہ آہستہ وہ تنزل کی طرف جانے لگتے ہیں۔ جذبات کے اظہار کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ باہمی تعلقات کو زیادہ مستحکم کرنے کا سبب بنتا ہے جب ایک شخص اس کیفیت سے آگاہ ہوگا جو اس کے لیے اس کے بھائی کے دل پر طاری ہے اور جب اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھائی اپنے سینے میں اس کے لیے کتنے پیار و محبت اور اخوت کے جذبات رکھتا ہے تو لامحالہ اس کے دل پر گہرا تاثر پیدا ہوگا اپنے بھائی کے جذبات میں الفت و محبت کی قدر پیدا ہوگی اور خود اس کے دلی جذبات کا اظہار نہ ہو تو پھر دو بھائی باوجود اچھے جذبات رکھنے کے کبھی کبھی الفت و محبت کے زیادہ مستحکم تعلقات نہ قائم رکھ سکیں گے۔

پھر اگر ایک مسلمان سے اس کا بھائی محبت رکھتا ہے تو اس کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے بھائی کے دلی جذبات سے آگاہ ہو۔ اس لیے بھی کہ وہ ان جذبات کے جواب میں اپنے سینے میں برابر کے جذبات پروان چڑھا سکے اور اس لیے بھی کہ وہ لاعلمی میں ایسا طرزِ عمل نہ اختیار کر جائے جو اس جذبۂ محبت کے تقاضوں سے متصادم ہو یا ان کے مطابق نہ ہو جو اس کے بھائی کے سینہ میں اس کے لیے موجود ہے۔

اس لیے دو مسلمان بھائیوں کی باہمی محبت کو پروان چڑھانے کے لیے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط بات ہوگی کہ اکثر حالات میں فساد سے بچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ محبت کو مخفی نہ رکھا جائے اور اپنے جذبات کو کھل کر ظاہر ہونے دیا جائے۔ فساد اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے بھائی سے محبت رکھتا ہے اور وہ اپنی محبت کو مختلف طریقوں سے ظاہر کرتا ہے لیکن اس کا بھائی باوجود اپنے دل میں محبت رکھنے کے ٹک ٹک دیدم دَم نہ کشیدم کا مصداق بنا رہے اور مہر بلب رہے تو لازماً وہ اس طرح اپنے بھائی کے دل میں بدگمانی، بددلی اور دوری پیدا کرنے کا باعث ہوگا جو اسے اپنی محبت کی خبر دے دیتا ہے۔

دل میں پوشیدہ محبت و الفت اور پیار کے جذبات جب پھوٹ کر باہر نکلتے ہیں تو وہ بے شمار راہیں اختیار کرتے ہیں۔ انسان کی ایک ایک حرکت و سکنت اس کے بھائی پر اس کے جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ یہ اظہار عمل سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی۔ حسنِ سلوک، حاجت روائی، دل سوزی کے ساتھ احتساب اور اصلاح کی کوشش، دعوتِ طعام، خندہ پیشانی، مسکراہٹ، معانقہ، دکھ درد میں شرکت اور اپنے ذاتی معاملات میں اعتماد کچھ ایسی چیزیں ہیں جو عمل سے ان جذبات کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان میں سے کچھ پر ہم گفتگو کر چکے ہیں اور کچھ آگے چل کر کریں گے۔ حرکات و سکنات اور عمل کے ساتھ ساتھ جو دوسری بڑی موثر قوت ہے وہ زبان ہے۔ زبان سے نکلی ہوئی ایک دل آزار بات جس طرح تیر کی طرح دل پر اثر کرتی ہے۔ اور اس کے زخم کا اندمال مشکل ہوتا ہے اسی طرح زبان سے نکلی ہوئی اچھی بات دل پر ایسا گہرا اثر چھوڑتی ہے کہ دوسرے انسان کے لیے اس کا اندازہ بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس لیے زبان کے بارے میں ہم نے دیکھا ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے سب سے زیادہ محتاط رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ اس لیے کہ یہی زبان تعلقات کو فساد و اختلال کی انتہائی پستیوں تک پہنچانے کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر ایک انسان اس سے صحیح قسم کا کام لے تو یہ باہمی تعلقات کو لطف و محبت کی بلند ترین منازل تک پہنچا سکتی ہے۔ اس کا اندازہ بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ اکثر زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کے چند مجموعے جو دوسرے انسان تک محبت و الفت کے جذبات منتقل کر رہے ہوں، انسانی دل کتنا خوش کر دیتے ہیں۔ بعض دفعہ بڑے سے بڑا حسنِ سلوک بھی اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ اور کتنے لوگ ہیں جو ایک اچھی بات، ہمت افزا جملہ، دل کو خوش کر دینے والی بات بول دینے میں بخل کر جاتے ہیں اور اس طرح

نہ صرف یہ کہ وہ اپنے بھائی کے دل کو بے انتہا خوش کرنے کی سعادت سے محروم ہو جاتے ہیں جس کے بارے میں یہ ہے کہ ''جس نے مسلمان بھائی کے دل کو خوش کیا اس نے اللہ کے رسولؐ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کے رسول کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کر دیا تو اللہ اسے جنت میں داخل کر دے گا۔'' بلکہ اس کے برعکس بعض دفعہ محبت آمیز بات نہ کہہ کر اس کے دل کو تکلیف پہنچا دیتے ہیں اور بعض اوقات کسی جملہ کو لاپروائی اور بے نیازی سے بول دیتے ہیں۔ اس کے بارہ میں آیا ہے کہ ''جس نے کسی مسلمان کو ستایا اس نے اللہ کو ستایا۔''

زبان کے ذریعہ جذبات کے اظہار کے طریقوں میں اپنی محبت کا اظہار، سلام دعا، نرم اور محبت آمیز جملے، غمگساری وغیرہ مختلف چیزیں آتی ہیں۔ زبان کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے آپؐ نے اپنے صحابہؓ کے سامنے اس حشر کا نقشہ پیش کیا:

''جب آدمی کے ارد گرد آگ اور یا پھر اس کے اعمال ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ براہ راست احتساب کرے گا۔ پھر ہدایت کی کہ اس آگ سے بچو اگر چہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے کر کیوں نہ ہو اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم بھلی بات ہی کہو۔''

اور پھر سارے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے اور سارے پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے اس سلسلہ میں کیا ہدایات دی ہیں اور کیوں دی ہیں۔ اظہارِ محبت کے سلسلہ میں آپؐ نے یہ فرمایا کہ:

اِذَا اَحَبَّ الرَّجُلُ اَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ اَنَّهُ يُحِبُّهُ۔

(ابوداؤد ترمذی عن مقدام بن سعد ص: ۴۲۶)

جب کوئی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ اسے خبر کر دے کہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے۔

اور اسی طرح ایک دفعہ آپ کے سامنے سے ایک شخص گزرا۔ اس وقت آپؐ کے پاس لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ میں اس شخص کو اللہ کے لیے محبوب رکھتا ہوں۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلَمْتَهُ قَالَ لَا قَالَ قُمْ اِلَيْهِ فَاَعْلِمْهُ فَقَامَ اَلَيْهِ فَاَعْلَمَهُ فَقَالَ اَحَبَّكَ الَّذِیْ اَحْبَبْتَنِیْ لَهُ

(بیہقی، ترمذی، مشکوٰۃ ۴۲۶)

نبی کریمؐ نے فرمایا کیا تو اس کے علم میں لے آیا۔ اس نے عرض کیا ''نہیں'' فرمایا'' جاؤ اور اس کے علم میں لے آؤ کہ تم اس سے اللہ کے لیے محبت کرتے ہو، پھر وہ کھڑا ہو گیا اور اس کو جا کر بتا دیا۔ اس نے کہا کہ تجھ سے وہ ذات محبت کرے جس کی رضا کی خاطر تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ ایک دفعہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ بن علیؓ کا بوسہ لیا۔ اس وقت آپؐ کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے آپؐ کو بوسہ دیتے دیکھ کر کہا کہ میرے دس بیٹے ہیں۔ میں ان میں سے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ رسول اللہؐ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا'' جو رحمت سے خالی ہوتا ہے اس پر رحمت نہیں کی جاتی۔''

مَنْ لَّا یَرْحَمْ لَایُرْحَم۔ (بخاری و مسلم ص:۴۰۱)

اور ایک دوسری حدیث میں اس قسم کے الفاظ ہیں کہ ''اگر اللہ نے تمھارے دل کو رحمت سے محروم کر دیا تو میں کیا کروں۔'' اظہارِ جذبات کا بہترین موقع ملاقات کے وقت ہوتا ہے۔ خود ملاقات کی ضرورت اور اہمیت تو آپ کو معلوم ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اظہار جذبات کے لیے ملاقات کو کیسا ہونا چاہیے۔

۷۔ محبت اور خوش اخلاقی سے ملاقات کرنا

تعلقات کو پروان چڑھانے میں حسن سلوک کے بعد اگر کوئی چیز سب سے زیادہ مؤثر ہے تو وہ ملاقات ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان ملاقاتوں میں ایک طرف تو بدکلامی، طعن وطنز، تمسخر وغیرہ عیوب کے ذریعہ دل آزاری نہ ہو اور دوسری طرف اس طرح ملا جائے کہ اندازِ ملاقات سے محبت کے جذبات ٹپکتے ہوں۔ اس سلسلے میں ہم کو بے شمار احادیث ملتی ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ ملاقات میں درشتی وسختی یا بے نیازی ولاپروائی کے بجائے جو دل کے لیے تکلیف دہ اور دلوں کو پھاڑنے والی ہوتی ہے، نرمی اور نرم خوئی ہو۔ نرم آدمی کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا:

اُخْبِرُکُمْ وَمَنْ یُّحَرَّمُ عَلَی النَّارِ وَمَنْ تُحَرَّمُ النَّارُ عَلَیْهِ عَلٰی کُلِّ هَیِّنٍ لَّیِّنٍ قَرِیْبٍ سَهْلٍ۔ (احمد ترمذی عن ابن مسعود، مشکوٰۃ:۴۳۲)

میں تمھیں اس شخص کا پتہ دیتا ہوں جس پر جہنم کی آگ حرام ہے اور وہ آگ پر حرام ہے۔ یہ وہ شخص ہے، جو نرم مزاج، نرم طبیعت اور نرم خو ہو۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آدمی خندہ پیشانی سے ملے اور دیکھ کر مسکرا دے۔ رسول اللہ نے ان دونوں چیزوں کی نصیحت کی ہے۔

ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ:

لَاتَحْقُرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَلَوْاَنْ تُلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْهٍ طَلِیْقٍ۔ (مسلم ۳۹۹)

نیکیوں میں سے کسی کو حقیر نہ سمجھو اگر چہ وہ اتنی ہی ہو کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔

اور ایک جگہ فرمایا کہ ”اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔“

لاپروائی اور بے نیازی سے نہ ملے بلکہ توجہ سے ملے اور دوسرے پر اس کا اظہار کر دے کہ یہ ملاقات اس کے دل کی خوشی کا باعث ہو رہی ہے۔

نبی کریمؐ کے بارے میں صحابہؓ یہ کہتے ہیں کہ آپ کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے ہم سے ہوتے، اسی طرح آپؐ کے بارے میں ایک واقعہ بیہقی نے نقل کیا ہے کہ آپؐ مسجد میں ایک مجلس میں بیٹھے تھے۔ ایک آدمی آیا تو رسول اللہؐ نے اس کے لیے اپنے جسم کو حرکت دی۔ اس نے کہا یا رسولؐ اللہ! جگہ میں کافی گنجائش ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا:

اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَارَاٰہُ اَخُوْہُ اَنْ یَّتَزَحْزَحَ لَهٗ۔

(عن عمر بن الخطاب ترجمان السنہ)

مسلمان کا یہ حق ہے کہ جب اس کا بھائی اسے دیکھے تو اس کے لیے حرکت کر جائے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں ”جب زید بن حارثہؓ مدینہ میں آئے اور رسول اللہؐ سے ملاقات کی، باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا تو رسول اللہؐ تہہ باندھے بغیر صرف چادر کو کھینچتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ خدا کی قسم! میں نے نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد آپؐ کو اس حالت میں دیکھا۔ آپ نے جوشِ محبت سے زید کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔“ اسی طرح جب حضرت جعفر طیارؓ

حبشہ سے واپس آئے تو رسول اللہ نے ان کو گلے لگا کر آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے کہا: ''ہجرت کرنے والے سوار کو مرحبا۔''

۸- سلام

سلام کے ذریعہ اظہار جذبات کو ایک متعین صورت عطا کر کے اسے بھی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق میں شامل کر دیا ہے۔ اس میں ایک طرف جذبات کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف اپنے بھائی کے لیے دعا کے ذریعہ خیر خواہی بھی جب نبی کریمؐ نے مدینہ آ کر پہلا خطبہ دیا تو چار باتوں کی ہدایت کی اور ان میں سے ایک یہ تھی:

وَاَفْشُوا السَّلَامَ۔ سلام کو (اپنے درمیان) پھیلاؤ۔

اس سے بھی زیادہ اہمیت اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

لَاتَدْ خُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْ مِنُوْا وَلَا تُوْ مِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْئٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (عن ابی ہریرۃ مشکوٰۃ ص: ۳۹۷)

تم ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگے یہاں تک کہ مومن ہو جاؤ اور مومن اس وقت تک نہ ہوگے جب تک باہم محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز کا پتہ نہ دوں جس کو اختیار کر کے تم باہم محبت کرنے لگو تو وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

اور ایک مرتبہ مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا:

يُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَالَقِيَهٗ۔ (مشکوٰۃ: ۱۹۷)

اس سے سلام کرے جب بھی اس سے ملے۔

اس سلسلہ میں خاص طور پر سلام میں سبقت کرنے اور اوّلیت کا شرف حاصل کرنے کی تحریص کی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

"سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے۔"

نیز یہ بھی فرمایا کہ:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَاً بِالسَّلَامِ۔

(احمد، ترمذی، ابوداوٗد عن ابی امامہ۔ مشکٰوۃ ص: ۳۹۸)

اللہ کی رحمت سے زیادہ قریب لوگوں میں وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

اور ظاہر ہے کہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان آگے بڑھ کر اپنے بھائی کے لیے دعا کرے اور اس طرح اپنے جذبات کو ظاہر کرے۔ رسول اللہؐ جہاں گزرتے وہاں سلام میں پہل کرتے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ مرد ہو یا عورت یا بچے۔ بلکہ بچوں پر سلام کرنے میں آپؐ خاص طور پر پہل کرتے۔ سلام کی کثرت کی آپؐ نے اس طرح نصیحت کی کہ:

اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ ثُمَّ لَقِیَهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ۔ (ابوداوٗد عن ابی ہریرہ، مشکٰوۃ ۳۹۹)

جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملے تو اسے سلام کرے پھر اگر ان دونوں کے درمیان کوئی درخت دیوار، پتھر یا کوئی آڑ آ جائے اور پھر ملے تو پھر سلام کرے۔

خاص طور پر آپؐ نے گھر والوں پر سلام کی نصیحت کی اور حضرت انسؓ سے کہا کہ:

یَا بُنَیَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰی اَهْلِکَ فَسَلِّمْ تَکُنْ بَرَکَةٌ عَلَیْکَ وَعَلٰی اَهْلِ بَیْتِکَ۔ (ترمذی، مشکٰوۃ: ص ۳۹۹)

اے بیٹے جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کر۔ یہ تیرے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا باعث ہوگا۔

اسلام کے ذریعہ محبت میں اضافہ اس وقت ہو سکتا ہے جب صحیح شعور کے ساتھ ہو۔ ایک بھائی دوسرے بھائی سے سلامتی کی دعا کر رہا ہو اور اس پر ظاہر کر رہا ہو کہ وہ محبت اور خیر خواہی کے لیے کتنے جذبات اپنے دل میں رکھتا ہے۔ ورنہ جیسا سلام آج کل رائج ہے بطور عادت دو لفظ منہ سے نکل جاتے ہیں تو ظاہر ہے یہ محبت میں اضافہ کا سبب نہیں بن سکتا۔

۹- مصافحہ

سلام کے بعد دوسری چیز جو ملاقات کے وقت اپنے جذباتِ محبت کے اظہار کے لیے رسول اللہؐ نے بتائی وہ مصافحہ ہے۔ حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں مصافحہ کا رواج تھا؟ انھوں نے کہا "ہاں" (بخاری، مشکوٰۃ ص:۴۰۱۱)

دراصل مصافحہ سلام کے تتمہ یا تکمیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی سلام کی پوری اسپرٹ اس سے ہی مکمل ہوتی ہے۔ رسول اللہؐ نے خود اس چیز کو واضح کیا کہ:

تَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ۔ (احمد و ترمذی عن ابی امامہ، مشکوٰۃ ۴۰۲)

تمہارے باہمی سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔

مصافحہ کے بارے میں رسولؐ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ "مصافحہ کرو۔ اس لیے کہ اس سے بغض دور ہوتا ہے۔"

اور مصافحہ کے اجر کے سلسلے میں جو خوش خبری رسول اللہ نے دی ہے وہ یہ ہے کہ:

مَا مِنْ مُّسْلِمَيْنِ فَيَتَصَا فَحَانِ الَّاغُفِرَ لَهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اُخْرىٰ فَتَصَافَحَا وَحَمَدَ اللّٰهُ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهُ غُفِرَ لَهُمَا

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد عن ابن عازب مشکوٰۃ ص:۴۰۱)

جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں تو ان کے جدا ہونے سے بیشتر ان کو بخش دیا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ مصافحہ کریں۔ خدا کی حمد کریں اور اس سے مغفرت چاہیں تو ان کو بخش دیا جاتا ہے۔

۱۰- اچھے نام سے یاد کرنا

جو شخص بھی انسانی نفسیات سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کو بہتر سے بہتر انداز میں پکارا جائے اور جتنے محبت بھرے لہجہ اور یگانگت کے انداز میں وہ مخاطب کیا جائے گا اتنا ہی اس کا دل پکارنے والے کی محبت اور خلوص سے متاثر ہوگا۔ اس معاملہ مین کبھی بخل نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ آدمی اپنے بھائی کو

ایسے انداز میں پکارے جس سے اس کی محبت کے جذبات چھلکتے ہوں۔ سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں ہر شخص اپنے برابر والوں اور بڑوں کو اس کے نام کے ساتھ بھائی لگا کر پکارتا تھا اور چھوٹوں کا صرف نام لیا جاتا تھا۔ یہ معاملہ اس طرح پکارنے کا ہے جس سے محبت چھلکتی ہو اور جس سے دوسرے کا دل خوش ہو، اس کی تو ایک پُرخلوص اور محبت آمیز تعلق میں گنجائش ہی نہیں کہ بھائی اپنے بھائی کو اس طرح پکارے جو اس کو ناگوار ہو۔ خوش کلامی کی تمام احادیث اس معاملہ پر منطبق ہوتی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کتنی صحیح بات کہی جب کہ آپ نے یہ بتاتے ہوئے کہ دوستی کن چیزوں سے مضبوط ہوتی ہے۔ فرمایا:

''دوست کو اچھے نام سے بلایئے'' (کیمیائے سعادت ۲۳۸)

۱۱- شخصی اور ذاتی امور میں دلچسپی

پرخلوص محبت کا یہ ایک حق ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے شخصی اور ذاتی معاملات میں اتنی ہی دلچسپی لے جتنی وہ اپنے شخصی اور ذاتی معاملات میں لیتا ہے۔ جب ملے تو اس کے ذاتی حالات پوچھے۔ ان میں پوری پوری دلچسپی کا اظہار کرے۔ اس طرح ایک طرف تو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کی خیرخواہی کا یقین ہوگا۔ دوسرے ایک بھائی کے جذبات دوسرے پر ظاہر ہوں گے اور یہ چیز تعلق کے استحکام کا سبب بنے گی۔

نبی کریمؐ نے اپنے ساتھیوں کو آپس میں شخصی و ذاتی طور پر تفصیلی تعارف کی ہدایت کرتے ہوئے اس مصلحت پر بھی روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا:

اذا احِيَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْئَلْهُ لَهٗ عَنْ اِسْمِهٖ وَاِسْمِ اَبِيْهِ وَمِمَّنْ هُوَ فَاِنَّهٗ اَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ۔

(ترمذی عن یزید بن معاویہ، مشکوٰۃ ص: ۴۲۷)

جب ایک آدمی دوسرے آدمی سے بھائی چارہ کرے تو اس سے اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلہ کا نام پوچھ لے اس لیے کہ اس سے باہمی محبت کی جڑیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔

ذاتی نام وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جو آدمی کے شخصی معاملات کا ہی ایک جزو ہیں اور اس

طرح یہ حدیث اس اصول کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کو میں نے پیش کیا۔ پھر یہ الفاظ کہ اس سے محبت کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں، اصل حکمت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۱- ہدیہ

اپنے بھائی پر اپنی محبت اور خلوص کے اظہار کے لیے ہدیہ دینا تعلق کے استحکام کے لیے نہایت مؤثر چیز ہے۔ اچھی بات کہنا، اچھے نام سے پکارنا اپنی محبت کو ظاہر کرنا یہ سب زبان کے ہدیئے ہیں۔ جن کے ذریعہ ایک بھائی اپنے بھائی پر محبت ظاہر کر کے اس کو اپنے سے قریب آتا ہے۔ ٹھیک جس طرح زبان کے ہدیے دل کو خوش کرتے ہیں اور دلوں کو جوڑنے میں اور اپنی طرف کھینچنے میں مدد دیتے ہیں، اسی طرح مادّی ہدیے بھی ایک دل کو دوسرے دل سے مربوط کرتے ہیں اور اسی طرح باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ نبی کریمؐ نے جہاں ہدیے دینے کی ترغیب دی ہے وہاں اس کا یہ فائدہ بھی بتایا ہے کہ یہ دلوں کی کدورتوں کو دھو دیتا ہے۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں:

تَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَآءُ (اَوْ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ)

(مشکوٰۃ ص: ۴۰۳)

ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو تو باہمی محبت پیدا ہوگی اور دلوں کی دشمنی اور بُعد دور ہوجائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ساتھیوں کو کثرت سے ہدیے دیتے اور آپؐ کے اصحابؓ آپؐ کی خدمت میں اور باہم ایک دوسرے کو بھی ہدیے پیش کرتے۔ اس سلسلہ میں جو باتیں ہم کو پیش نظر رکھنی چاہئیں اور جو ہم کو آپؐ کے اسوہ سے معلوم ہوتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱- ہدیہ ہمیشہ حسبِ استطاعت دینا چاہیے اور اس بنیاد پر دینے سے رک نہ جانا چاہیے کہ وہ قیمتی یا باحیثیت چیز نہیں دے سکتا۔ جو چیز دلوں کو جوڑتی ہے وہ ہدیہ کی قیمت وحیثیت نہیں ہوتی بلکہ دینے والے کا خلوص اور اس کی محبت ہوتی ہے۔

۲- ہدیہ چاہے کچھ بھی ہو ہمیشہ شکر و امتنان کے جذبات کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔

۳- ہدیہ کے بدلے ہمیشہ ہدیہ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ

مساوی حیثیت کے ہدیات ہوں بلکہ ہر فریق اپنی حیثیت کے مطابق دے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اصول تھا کہ آپ ہمیشہ ہدیہ کے بدل کی کوشش کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے لینے سے انکار کر دیا تو آپؐ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔

۴- ہدیہ میں سب سے پسندیدہ چیز آپؐ کے لیے خوشبو تھی۔ آج کے حالات میں اسی صف میں کتاب کو بھی رکھا جا سکتا ہے۔

۱۳- شکر گزاری

جذباتِ محبت کے اظہار اور دوسرے کی محبت کے احساس کو ظاہر کرنے کا یہ ایک بڑا اچھا طریقہ ہے۔ جب ایک بھائی یہ محسوس کرے کہ اس کا بھائی اس کے محبت کے جذبات اور محبت کے تحت کیے ہوئے کاموں کا پورا احساس کرتا ہے اور ان کی قدر و قیمت کو محسوس کرتا ہے تو اس کے دلی تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اگر محبت کرنے والے آدمی کو یہ احساس ہو کہ اس کے خلوص ومحبت کی کوئی قدر نہیں تو اس کا دل بجھنے لگتا ہے اس لیے جب بھی ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی کوئی مدد کرے یا اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرے یا اس سے کوئی اچھی بات کہے یا اس کو کوئی ہدیہ دے تو اس مسلمان بھائی کا فرض ہے کہ وہ اس پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کرے اور اس طرح اس کو یہ بتا دے کہ وہ خلوص و محبت کی ہر ادا کی قدر قیمت اپنے دل میں خوب محسوس کر رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں صحابہؓ بیان کرتے ہیں، جب کوئی آپؐ کی خدمت میں کوئی چیز پیش کرتا تو آپ اس کا شکریہ ادا کرتے اور آپ اس کو قبول کر لیتے اور جب کوئی آپؐ کا کام کر دیتا تو اس پر اپنے اطمینان کا اظہار کرتے۔ (شمائل ترمذی)

۱۴- ساتھ مل کر کھانا

کھانے میں ایک دوسرے کے ساتھ شرکت اور ایک دوسرے کو اپنے گھر کھانا کھانے کی دعوت دینا بھی خلوص اور محبت کے جذبات کے اظہار کا ایک عملی طریقہ ہے۔ ایسے مواقع پر نہ صرف یہ کہ بے تکلفی سے گفتگو کے مواقع ملتے ہیں بلکہ جب ایک مسلمان بھائی اپنے بھائی کو اپنے گھر پر کھانا کھانے کی دعوت دیتا ہے تو جس شخص کو مدعو کیا جاتا ہے اس کے دل میں یہ احساس پیدا

ہو جاتا ہے کہ میرا بھائی میرے لیے اپنے دل میں جذبات رکھتا ہے اور یہ احساس جہاں بھی پیدا ہو جائے تعلق کے مزید استحکام کا ضامن ہے۔ صحابۂ کرامؓ آپس میں بھی ایک دوسرے کو اکثر مدعو کرتے رہتے تھے اور نبی کریمؐ کو بھی اکثر مدعو کرتے رہتے تھے۔ خود نبی کریم کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہوتی یا کہیں سے آتی تو آپؐ پوری مجلس کو اس میں شامل کر لیتے دعوت اور باہم ساتھ مل کر کھانے میں بھی وہ چیزیں سامنے رکھنا ضروری ہیں جو ہدیے کے ضمن میں آ چکی ہیں۔ پہلے یہ کہ دعوت پُر تکلف کھانوں کو ہی نہیں کہتے بلکہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کھلائے خواہ وہ روزانہ کا کھانا ہو لیکن اس سلسلہ میں کچھ تخصیص اگر برتی جا سکے تو دل پر اچھا اثر ڈالتی ہے۔ جس شخص کو دعوت دی جائے اس کا فرض ہے کہ اس کو قبول کر لے اور شکر و اطمینان اور خوشی کے اظہار کے ساتھ قبول کرے اور آخری یہ کہ ہدیہ کی طرح دعوت کے بدل کی بھی کوشش ہونی چاہیے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ شروع میں مسلمانوں کے دلوں میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے گھروں میں کھانا کھانے سے جھجک اور رکاوٹ پائی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں خود قرآن میں سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے آیات نازل کر کے اس جھجک کو دور کیا اور بے تکلفی پیدا کی۔

۱۵- دعا

دعا ایک ایسی چیز ہے جو ایک طرف تو بہت سے حقوق کو ایک مخصوص پہلو سے اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے جن پر ہم گفتگو کر آئے ہیں۔ اور دوسری طرف ایک نئے پہلو سے الفت و محبت کا سبب بنتی ہے۔ دعا میں ایک مسلمان اپنے بھائی کے لیے اپنے رب سے اس کی رحمت و مغفرت طلب کرتا ہے۔ اس کی بھلائی کا خواست گار ہوتا ہے اور اس کے اصلاحِ احوال کی درخواست کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر مسلمان اس پر یقین رکھتا ہے کہ معاملات کی اصل کنجی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور جب وہ اپنے بھائی کو دیکھتا ہے کہ وہ اس کے لیے اپنے رب کے آگے دستِ سوال دراز کر رہا ہے تو وہ بے انتہا متأثر ہوتا ہے۔

دعا غائبانہ بھی ہوتی ہے اور رُو در رُو بھی۔ دعا کی ایک صورت وہ سلام ہے جس کی مکمل صورت میں انسان اپنے بھائی کے لیے سلامتی و رحمت اور برکت کا طالب ہوتا ہے۔ پھر ایک

مسلمان پر دوسرے مسلمان کا یہ بھی حق ہے کہ اگر وہ چھینکے اور الحمدللہ کہے تو اس کے لیے رحمت کی دعا کی جائے (یرحمک اللہ) پھر اپنے مسلمان بھائی کا جنازہ بھی ایک حق ہے اور یہ بھی دعا کی ایک صورت ہے۔ عیادت کا جو مسنون طریقہ ہے اس میں بھی دعا ہے۔

دعا اگر رُو دَر رُو ہو یا جس کے لیے دعا کی جائے اس کے علم میں ہو تو اس پر سب سے پہلا نتیجہ تو یہ مرتب ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی دلی خیر خواہی اور محبت کا قائل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے نزدیک اصل مقصود بہرحال اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ میرا بھائی میرے لیے نہ صرف عملی طور پر بھلائی کی کوشش کرتا ہے۔ بلکہ میری حاجتوں کو اسی طرح اللہ کے سامنے پیش کرتا ہے جس طرح اپنی حاجتیں اور میرے دکھ، درد پر اسی طرح تڑپ کر اپنے مالک کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہے جس طرح اپنے دل درد پر، میری خامیوں اور گناہوں پر اسی طرح مغفرت کا طالب ہوتا ہے جس طرح اپنے گناہوں پر۔ اور میرے لیے اس کی رضا اور رحمت کا اسی طرح طلب گار ہے جس طرح اپنے لیے۔ اور پھر جب وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ میرا بھائی اتنا خیال رکھتا ہے کہ اچھے موقعوں پر تنہائیوں میں جب وہ اور صرف اس کا رب ہوتے ہیں، میں اسے یاد رہتا ہوں، تو پھر اس کے دل میں اپنے لیے دعا کرنے والے بھائی کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اس طرح اس دعا سے پورے فوائد حاصل ہوتے ہیں جو اظہار جذبات میں ہوتے ہیں۔

دوسری طرف دعا کرنے والا جب کوشش کر کے دوسروں کو دعا میں شریک رکھتا ہے تو اس کے قلبی تعلق میں اضافہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی تعلقات میں پاکیزگی آتی ہے۔

مغفرت و رحمت اور حاجت روائی اور مشکلات کو دور کرنے کی دعاؤں کے ساتھ اپنے بھائی کے لیے راہِ حق پر استقامت کی دعا اور باہمی الفت کی بھی تلقین کی گئی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْ بِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا۔

اسی طرح دلوں میں ناگواری، غبار یا کدورت کے دور ہونے کی دعا کی بھی تلقین کی گئی ہے۔ اس لیے کہ دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کدورت، کینہ یا شکایت ایسی بیماری ہے جس کے لیے گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہیے۔

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ

فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾
(الحشر:۱۰)

اے رب ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کینہ نہ رہنے دے۔

اگر اپنے بھائی کا نام لے کر یا اس کا خیال کر کے دعا کی جائے تو اس سے مزید تعلق پیدا ہوتا ہے۔ خود اپنے طور پر اپنے بھائی کے لیے رحمت کی دعا کرنا، اللہ تعالیٰ سے اس کی الفت و محبت کا سوال کرنا اور تعلقات کو خرابی سے بچانے کے لیے گڑگڑانا تو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر حق ہے لیکن ایک دوسرے سے اپنے لیے دعا کی درخواست کرنا اور دعاؤں میں شریک رکھنے کی تمنا کا اظہار بھی تعلقات کے لیے مفید ہوتا ہے۔

مثلاً نبی کریمؐ نے یہ فرمایا کہ ''جب اپنے بیمار بھائی کے پاس عیادت کے لیے جاؤ تو اس سے بھی اپنے لیے دعا کراؤ، اس لیے کہ اس کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔''

اسی طرح جب حضرت عمرؓ حج کو جارہے تھے تو آپؐ نے چند الفاظ کہے جن کے بارے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ ''یہ مجھے اپنی پوری زندگی میں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔'' اور وہ الفاظ یہ ہیں۔

''اے ہمارے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔''

۱۶--بہتر طریقہ سے جواب دینا

ایک مسلمان کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی محبت و خلوص کا جواب اس سے زیادہ اور بہتر خلوص و محبت سے دے۔ اس لیے بھی کہ کوئی تعلق یک طرفہ محبت سے پروان نہیں چڑھ سکتا اور اس لیے بھی کہ اس طرح دوسرے بھائی کا دل مطمئن رہتا ہے کہ اس کی محبت نہ تو ضائع کی جارہی ہے اور نہ اس کی ناقدری ہو رہی ہے۔ سلام کا جواب بہتر سلام سے دینے ہدیہ کا جواب بہتر ہدیہ سے دینے اور ایک اچھی بات کا جواب ایک اچھی بات سے کہنے میں'' کی ہدایات اسی اصول پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ کی یہ حدیث بھی سامنے رہنی چاہیے۔

''دو محبت کرنے والوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے بھائی کے لیے زیادہ محبت کرے۔''

اگر اپنے بھائی کی محبت کے جواب میں بہتر جواب ممکن ہو تو کم از کم برابر کا ہی جواب ہونا چاہیے اور ساتھ ہی اپنی کوتاہی کا اعتراف بھی دل کو متاثر کرتا ہے۔

۱۷- صلح کرنا اور شکایت دور کرنا

تعلقات کی بنیاد کو ذہن میں رکھنے اور ان تمام تدابیر کو اختیار کرنے میں جو ایک طرف تعلقات کو خراب ہونے سے بچاتی ہیں اور دوسری طرف ان میں لطف و محبت اور الفت کے جذبات پیدا کرتی ہیں۔ بہت سی کوتاہیاں اور خامیاں سرزد ہوتی ہیں۔ کسی انسان کے لیے بھی یہ ممکن نہیں کہ اس سے کبھی بھی کسی غلطی کا صدور نہ ہو۔ پھر تعلقات چوں کہ اسلامی انقلاب کے لیے ضروری ہیں۔ اس وجہ سے شیطان بھی اس مورچہ پر بڑا سرگرم رہتا ہے اور مستقل ان تعلقات کو خراب کرنے کی اور ان میں فساد پیدا کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ تعلقات کے بارے میں جو باتیں کہی گئی ہیں۔ ان کو اگر سامنے رکھا جائے اور اس اصول پر ہمیشہ اپنے آپ کو پرکھا جائے کہ اپنے بھائی کو اپنی جانب سے کوئی جسمانی ایذا یا دل آزاری نہ ہونے دو۔ خواہ یہ دل آزاری زبان سے ہو یا عمل سے، ہر وہ تدبیر اختیار کرنے کی کوشش کرو جس سے تم اپنے بھائی کی مدد کرسکو خواہ دینی مدد ہو یا دنیاوی۔ اور اپنے خلوص و محبت کو پوری طرح ظاہر کرو اور دوسرے کے خلوص و محبت کے جواب میں اس سے زیادہ خلوص و محبت یا اتنے ہی خلوص کو پوری طرح ظاہر کرو کہ تم اس کی قدر و قیمت کو اچھی طرح محسوس کرتے ہو تو اس اصول پر عمل کے بعد شیطان کو مشکل ہی سے دراندازی کرنے کا موقع ملے گا۔ پھر بھی اگر تعلقات میں خرابی پیدا ہوتی نظر آئے تو چند چیزیں ہر مسلمان بھائی کو اپنے سامنے رکھنی چاہئیں اور ان کو سامنے رکھنے کے بعد اگر کوئی خرابی پیدا ہوگی بھی تو وہ بآسانی دور کی جاسکتی ہے۔ تعلقات کی خرابی کی بنیاد عام طور پر وہ شکایات بنتی ہیں جو ایک مسلمان بھائی کے دل میں دوسرے بھائی کی طرف سے پیدا ہوتی ہیں۔ شکایتیں پیدا ہونے کی بنیادیں بہت سی ہوسکتی ہیں اور اس حصہ میں جن چیزوں پر گفتگو کی گئی ہے وہ انہی بنیادوں کو ختم کرتی ہیں۔ ہر ایک شکایت میں جو چیز مشترک ہوتی ہے وہ یہ کہ جب کسی مسلمان کے دل کو اپنے بھائی کے کسی قول یا فعل سے تکلیف پہنچتی ہے تو شکایت پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر بات بڑی ہو تو یہ شکایت خود خرابیٔ تعلقات کے لیے کافی ہوتی ہے اور اگر چھوٹی ہو تو کئی چھوٹی چھوٹی باتیں مل کر ایک شدید احساس پیدا کردیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں وہی باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں جو بدگمانی کے ضمن میں کہی گئی ہیں:

ایک یہ کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو شکایت کا موقع فراہم نہ ہونے دے۔ اسے

اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس سے دوسرے کے دل کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

دوسرے یہ کہ ہر مسلمان کو اپنے بھائی کے ساتھ وسیع القلبی سے پیش آنا چاہیے۔ حضور اکرمؐ کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور حتی الوسع اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ کوئی شکایت پیدا نہ ہو اور اگر پیدا ہو تو فوراً اسے دل سے محو کر دیا جائے۔

تیسرے یہ کہ ان دونوں باتوں کے باوجود اگر شکایت پیدا ہو جائے تو پھر اس بات کو کبھی دل میں نہ رکھنا چاہیے۔ اگر بھلانے میں کامیاب نہ ہو تو خواہ چھوٹی بات ہو یا بڑی فوراً اس کو اپنے بھائی پر ظاہر کر دے۔ اپنے بھائی کی طرف سے دل میں ذرا سا بھی میل رکھنا اور اس کے دل کے غبار کے ساتھ اس سے ملنا بدترین کردار ہے۔ اس میں کوئی تاخیر نہیں ہونی چاہیے بلکہ دل کی صفائی کی اصلاح کی فوراً کوشش کرنی چاہیے۔

چوتھے یہ کہ جس کو شکایت بتائی جائے وہ اس پر ناراض نہ ہو اور ناک بھوں نہ چڑھائے بلکہ اپنے بھائی کا شکر گزار ہو جس نے خیانت کا ارتکاب کرنے کے بجائے اس پر ظاہر کر دیا، پیٹھ پیچھے نہ کہا۔ اور پھر یہ کہ تعلق کو اتنا قیمتی سمجھا کہ ذرا بات بھی ہوئی تو فوراً اصلاح کی کوشش کی اور اسے اصلاح کا موقع دیا۔

پانچویں یہ کہ جب اس کو معلوم ہو جائے کہ اس کے بھائی کے دل میں کوئی شکایت ہے تو فوراً اصلاح کی کوشش کرے۔ جتنی مدت گزرتی ہے اتنی ہی خرابی جڑ پکڑتی جاتی ہے اور جتنا تازہ تازہ فتنہ کو کچل دیا جائے اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ پھر اگر واقعی اس سے غلطی ہوئی تو اس غلطی کا کھلے دل سے اعتراف کرے اور اس پر اپنی ندامت کا اظہار کرے۔ اگر اس غلطی کے لیے کوئی عذر ہو تو وہ پیش کرے اور اگر غلطی نہ ہوئی ہو بلکہ کوئی غلط فہمی ہو یا اس کے کوئی معقول عذر ہوں تو غلط فہمی کو صاف کر دینے کی کوشش کرے، اس سلسلہ میں انجیل میں حضرت مسیح کے یہ الفاظ ایک مسلمان کے اس فریضہ پر موثر ترین انداز میں روشنی ڈالتے ہیں:

> پس اگر تو قربان گاہ پر اپنی نذر گزارتا ہو اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے شکایت ہے تو وہیں قربان گاہ کے آگے ہی اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر اپنے بھائی سے ملاپ کر، تب اپنی نذر گزران۔"

یہ بڑے پتہ کی بات کہی گئی ہے۔ تمھارا بھائی تم سے ناراض ہو تو تمھارا ایک بہتر انسان

بننا اور تمھارے تعلقات کا تمھارے بھائی سے خوش گوار بنیاد پر قائم ہونا مشکل ہے۔ ہم اللہ کو جب ہی خوش کر سکتے ہیں جب عبادت کا اصل مقصد پورا ہو۔ اس لیے نذر پیش کرنے سے پہلے اپنے بھائی کی شکایت دور کر کے اصلاحِ حال کی کوشش کرنا چاہیے اور اس کام میں دیر نہ کرنا چاہیے۔

اور چھٹی بات یہ کہ جب ایک مسلمان بھائی اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو اس کو معاف کر دینا اس کا حق ہے جس سے دست کش نہ ہونا چاہیے اور اگر وہ معذرت پیش کرے تو اس کو معذور سمجھنا اور اس کا عذر قبول کر لینا بھی اس کا حق ہے اور اگر وہ غلط فہمی کی صفائی میں کوئی بات پیش کرے تو اس کی بات پر یقین کر لینا بھی اس کا حق ہے۔ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سامنے رکھنا چاہیے:

> ''جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی سے اپنی غلطی پر عذر کیا اور اس نے اس کو معذور نہ سمجھا یا اس کے عذر کو قبول نہ کیا اس پر اتنا گناہ ہوگا جتنا ایک ناجائز محصول لینے والے پر اس کے اس ظلم کا ہوتا ہے۔''

ان ہدایات پر عمل اس وقت ممکن ہے جب انسان اپنے تعلقات کی قدر و قیمت کو اچھی طرح محسوس کرتا ہو اور اس کے دل میں اپنے بھائی اور اپنے بھائی کے جذباتِ محبت کی قدر ہو اور ساتھ ہی اسے اچھی طرح یہ احساس ہو کہ تعلقات کی خرابی کتنا بڑا گناہ ہے۔ پہلی چیز کو حصہ اول کی گفتگو اور اسی حصہ کے دوسرے جزو کی گفتگو کے بعد اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ دوسری چیز کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ نبی کریمؐ نے ان تعلقات کی خرابی کی اہمیت کو اس طرح واضح کیا کہ یہ ایک مونڈ دینے والا استرہ ہے جو پورے کے پورے دین کا صفایا کر دیتا ہے۔ اور جو شخص یہ جانتا ہو کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے وہ لازماً اپنے دین کو ہر قیمت پر محفوظ رکھے گا اور جو اپنے دین کو محفوظ رکھنا چاہے گا وہ حسبِ استطاعت ان تعلقات کو کبھی خراب نہ ہونے دے گا۔ ایک دوسرے سے ناراض رہنے اور انقطاعِ تعلق کے بارے میں نبی کریمؐ نے جو تنبیہات کی ہیں وہ بڑی مؤثر اور بڑی سخت ہیں۔ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ:

لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ یَّلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَیُعْرِضُ ھٰذَا وَخَیْرُ ھُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ۔

(بخاری و مسلم عن ابی ایوب انصاری ص: ۴۲۷)

کسی مسلمان کے لیے یہ بات حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ ناراض ہو کر چھوڑ دے۔ دونوں ملیں تو ایک اپنا منہ ادھر کرے اور دوسرا ادھر پھیرے۔ ان دونوں میں بہتر وہ شخص ہے، جو سلام سے ابتدا کرے (یعنی خفگی دور کر کے مصالحت کی ابتدا کرے)

اس سے مصالحت میں پہل کرنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے ہاں ایسے دو مسلمان بندوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

تُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِیْ کُلِّ اُسْبُوْعٍ مَرَّتَیْنِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ فَیُغْفَرُ لِکُلِّ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اَخِیْهِ شَحْنَاءُ فَیُقَالُ اُتْرُکُوْا هٰذَیْنِ حَتّٰی یَفِیَا۔

(مسلم عن ابی ہریرہ، مشکوٰۃ ۴۲۸)

لوگوں کے اعمال ہفتہ میں دو دن پیر اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اور ہر بندۂ مومن کو بخش دیا جاتا ہے سوائے اس کے کہ جس کی اپنے مسلمان بھائی سے کوئی عداوت ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو کچھ دن کے لیے چھوڑ دو تاکہ آپس میں صلح کریں۔

جو شخص تین دن تک اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے۔ اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ:

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ (احمد، ابوداؤد عن ابی ہریرہ مشکوٰۃ ۴۲۸)

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ کے لیے چھوڑ دے، جو شخص تین دن سے زیادہ الگ رہا اور اس عرصہ میں مر گیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ:

وَمَنْ هَجَرَ اَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْکِ دَمِهٖ۔

(ابی داؤد عن ابی ہریرہ وابی خراش السلمی، مشکوٰۃ)

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو ایک سال کے لیے ترک کر دے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے اس کا خون بہایا (یعنی اتنا گناہ ہوگا)

اس سلسلہ میں ایک صورت حال یہ ہو سکتی ہے کہ ایک فریق نے اصلاحِ حال کی ہر کوشش کر کے ترکِ تعلق کیا ہو یا یہ کہ جھگڑے میں وہ حق پر ہو، اس صورت میں عقلاً وشرعاً اس پر گناہ عائد نہیں ہوتا۔ لیکن اس صورت میں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ وسیع القلبی سے کام لیتے ہوئے اپنے بھائی کو معاف کر دیا جائے اور حق پر ہوتے ہوئے بھی نزاع ترک کر دی جائے۔ رسول اللہ ایک حدیث میں ترک نزاع کی ترغیب اس طرح دیتے ہیں:

مَنْ تَرَکَ الْمِرَآءَ وَهُوَ عَلٰى حَقٍّ بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي وَسْطِ الْجَنَّةِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهٗ بُنِيَ لَهٗ فِيْ اَعْلَاهَا۔

(ترمذی عن حسن مشکوٰۃ ۴۱۳)

جس نے نزاع اور جھگڑا ترک کر دیا حالانکہ وہ حق پر ہے، اس کے لیے جنت کے وسط میں ایک محل بنایا جاتا ہے اور جس نے اپنا اخلاق بہتر بنایا اس کے لیے جنت کی بلندیوں پر محل بنایا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ حسنِ اخلاق کی انتہائی اعلیٰ منزل عفو ہے جس کے بدلے انسان جنت کی اعلیٰ ترین بلندی پر جگہ کا مستحق قرار پائے گا۔

صلح کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان بھائی اور مسلمان معاشرہ کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ دو بھائیوں کے درمیان تعلقات پر نگاہ رکھے اور جہاں خرابی محسوس ہو اس کی اصلاح کر دے۔ اس لیے کہ اس اصلاح پر ہی تعلقات کا انحصار ہے اور یہ تعلقات ہی معاشرہ کی زندگی اور روح ہے۔ قرآن نے اس اصلاح کا یوں حکم دیا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ (حجرات:۱۰)

اور زیادتی کرنے والے فریق سے لڑائی تک کی بھی ہدایت کی ہے۔

رسول اللہؐ نے ایک دفعہ صحابہؓ سے پوچھا۔ ”میں تمھیں وہ عمل بتاؤں جس کا ثواب درجہ میں روزہ، صدقہ، نماز کے ثواب سے زیادہ ہے؟“ صحابہؓ نے کہا۔ ”ہاں یا رسول اللہ، ضرور بتائیے۔“ فرمایا۔

اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ۔

(ابوداؤد، ترمذی عن ابی الدرداء ص:۴۲۸)

لوگوں کے درمیان (تعلقات کی) اصلاح کرنا، اور لوگوں کے درمیان تعلقات میں خرابی ڈالنا دین کو مونڈ ڈالنا ہے۔

اور اس سلسلہ میں مزید یہ فرمایا (حالانکہ جھوٹ کے بارے میں اسلام کی روش بڑی سخت ہے) کہ:

لَيۡسَ الۡكَذَّابُ الَّذِىۡ يُصۡلِحُ بَيۡنَ النَّاسِ وَيَقُوۡلُ خَيۡرًا وَيَنۡمِىۡ خَيۡرًا۔ (بخاری، مسلم، عن اُمِ کلثوم، مشکوٰۃ ۴۲۸)

وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرائے اور بھلی بات کہے یا بھلی بات پہنچائے۔

یعنی ایک طرف سے دوسری طرف ایسے اچھے جذبات منتقل کرے جو فی الحقیقت ظاہر نہ کیے گئے ہوں اور جن کا اس طرح منتقل کرنا اصلاح کا سبب بن سکتا ہو۔ اس میں بہتر یہ ہے کہ بات اس انداز میں کی جائے کہ الفاظ میں جھوٹ نہ ہو۔ ایک ایک شخص دوسرے کی محبت اور خیر خواہی کا قائل ہو جائے۔

ان ہدایات کی روشنی میں اگر مسلمان خود بھی شکایت کا موقع نہ دیں اور اصلاح کی کوشش کرتے رہیں اور معاشرہ بھی چوکس رہے تو شیطان کو دراندازی کا موقع مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔

تتمہ

اخوت، اُلفت، ولایت اور پیار و محبت کے تعلقات، ایمان کی ایک شرط اور اس کا لازمی تقاضا ہیں۔ جتنا مقصد عزیز ہوگا اتنا ایک بھائی کے لیے اپنے بھائی سے اخوت کا تعلق عزیز ہوگا۔ جب کہ ایک کا دکھ درد، دوسرے کا دکھ درد اور ایک کی تکلیف دوسرے کی تکلیف، ایک کی پریشانی دوسرے کی پریشانی اور ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی بن جائے تو تعلقات ایک پہلو سے اپنے معیار کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور جب اس کے ساتھ رحمت بھی پیدا ہو جائے اور دینی خیر خواہی بھی تو پھر تعلقات ہر لحاظ سے معیاری ہو جاتے ہیں اور ایسے تعلقات ہی ایک جماعت اور تحریک کو وہ زندگی اور حرارت بخشتے ہیں جو اس کی کامیابی کی ضامن ہوتی ہے۔ یہ نعمتِ عظمیٰ جہاں ان تمام شرائط و تدابیر کو ملحوظ رکھنے سے نصیب ہوتی ہے جو خدا اور خدا کے رسولؐ نے بتائی ہیں وہاں اس کے لیے توفیقِ الٰہی بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ خاص عطیۂ ربانی ہے۔ پس تدابیر کے ساتھ اپنے رب سے گڑگڑا کر التجا کرنی چاہیے کہ وہ ان تعلقات کو خرابی سے محفوظ اور ان میں الفت و محبت پیدا کرے۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ (انفال:۶۳)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ (الحشر:۱۰)